وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

جلد دوم

بیاناتِ سیرت

سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کا حسین مجموعہ

صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

مکتبۃ الفقیر

MAKTABA-TUL-FAQEER

223-SUNNT PURA FAISALABAD.

PH: 0092-41-2618003

سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کا حسین مجموعہ

جلد دوم

بیاناتِ سیرت

ازافادات

محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

(مولانا) محمد رضوان قریشی نقشبندی

مکتبۃ الفقیر
041-2618003
041-2649680

نام کتاب
بیاناتِ سیرت جلد دوم

ازافادات
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب
مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

کمپیوٹر کمپوزنگ
ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

تعداد
1100

مکتبۃ الفقیر

041-2618003,041-2649680
0300-9652292,0322-8669680
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

بسم الله الرحمن الرحیم

مضامین

مضامین

مضامین

مضامین

عرض ناشر

حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے، کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت و معرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پروازِ فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں، بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے، جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر:

ع میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحبِ دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں، عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد رضوان قریشی صاحب کو جنہوں نے

حضرت جی دامت برکاتہم کے سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کو''خطبات فقیر'' کی مختلف جلدوں سے یکجا کرنے کا کام سرانجام دیا۔ اور الحمد للہ! اب ہم اسے ''بیاناتِ سیرت'' کے عنوان سے آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ بیانات کا مجموعہ علماء وخطباء حضرات کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ!

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تازیست اپنی رضا کے لیے یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ (آمین)

فقیر سیف اللہ نقشبندی

مکتبۃ الفقیر P-223 سنت پورہ فیصل آباد

عرض مرتب

ع ما اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(میں نے اپنے مقالے کے ذریعے محمد ﷺ کی مدح نہیں کی، لیکن محمد ﷺ کے نام سے میرے مقالے کی عظمت ہوگئی)

سیرت کا عنوان ایک ایسا عنوان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے شروع ہوا اور قیامت کی صبح تک جاری وساری رہے گا۔ چنانچہ اس عنوان پر مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کام کیا۔ خطباء ومقررین نے تقریریں کیں، شعراء نے اشعار کے ذریعے اس عنوان میں سیرابی حاصل کی، سیرت نگاروں نے اس میں زندگیاں کھپادیں، اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ عنوان مزید سے مزید عروج پذیر ہے۔

یوں تو بہت سارے خطباء ومقررین اس عنوان پر تقریریں اور بیانات کرتے ہیں، مگر حضور اکرم ﷺ کا ایک سچا عاشق اور قدم قدم پر آپ ﷺ کی اتباع کرنے والا جس عشق ومحبت اور جذب وشوق میں ڈوب کر حضور ﷺ کی سیرت کو بیان کرتا ہے اور پھر سامعین پر اس کا جو اثر ہوتا ہے وہ عام روایتی خطباء کے بیانات میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کے سچے عاشقین میں ایک شخصیت ہمارے حضرت محبوب العلماء والصلحاء مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کی بھی

ہے۔ ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم العالیۃ کا سیرت کے عنوان پر کیا گیا بیان جو آدمی بھی سنتا ہے اس کا دل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی ایک عجیب سی مستی اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔

چنانچہ اس سال جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو بعض دوستوں نے عاجز سے سوال کیا کہ حضرت جی دامت برکاتہم کے خطبات میں سیرت کے عنوان سے بیان کس جلد میں ملے گا؟ تو عاجز نے ان کی رہنمائی کی۔ اور اس کے علاوہ یہ بات بھی سننے میں آتی تھی کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت جی دامت برکاتہم کی سیرت کے عنوان پر کوئی کتاب ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت جی دامت برکاتہم کے سیرت کے عنوان سے جتنے بیانات ہیں ان کو یکجا کر دیا جائے۔ بس اس بات کا تذکرہ محترم المقام عاجز کے محسن و مشفق حاجی محمد صدیق صاحب مدظلہ سے کر دیا، انہوں نے عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی اور صاحبزادہ مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ اور صاحبزادہ مولانا سیف اللہ صاحب مدظلہ کے توسط سے حضرت جی دامت برکاتہم سے اجازت حاصل کر لی۔ اور اب یہ کتاب ''بیاناتِ سیرت'' کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قارئین کے لیے حضرت کے فیض کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے اور عاجز کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ان جملہ احباب کو جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی قسم کا بھی تعاون کیا، اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

فقیر محمد رضوان قریشی نقشبندی

خادم معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾

(آلِ عمران: ۱۶۴)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرنے کا بنیادی مقصد:

ربیع الاول کا مہینہ محسنِ انسانیت، سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ ہے۔ ربیع کے معنی بہار کے ہوتے ہیں۔ اس لیے روحانی طور پر یہ ایک بہار کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں عموماً ہمارے مشائخ کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ سیرت کے عنوان پر گفتگو کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا پتہ چلے اور وہ اس کی اتباع کر سکیں، اپنی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھال سکیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد تھا وہ پورا ہو سکے۔ چنانچہ آج کے اس جمعہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے بارے میں چند باتیں پیش کرنی ہیں۔

ہم جیسے طالبِ علم کے لیے نبی ﷺ کی سیرت کے عنوان پر بولنا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ مشائخ نے کہا:

ع ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ ادبیست

''اے اللہ کے حبیب (ﷺ)! اگر میں ہزار مرتبہ بھی اپنے منہ کو مشک اور گلاب کے ساتھ دھولوں تو پھر بھی آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی کا زبان پر لانا میرے لیے بے ادبی کے مانند ہے۔''

یہ عاجز کوشش کرے گا کہ سیرت سے متعلق چند ایسی باتیں آپ کے ذہن نشین رہیں جن سے آپ خود بھی پختہ ہو جائیں گے اور اگر کبھی کسی دوسرے سے بات کرنی پڑے تو اس کو بھی نبی ﷺ کی سیرت کے بارے میں کوئی ٹھوس بات بتا سکیں گے۔

جزیرۂ عرب کی جغرافیائی حیثیت:

نبی ﷺ جزیرۂ عرب میں تشریف لائے۔ اس کی جغرافیائی حیثیت ایسی ہے کہ تین اطراف سے وہ پانی سے گھرا ہوا ہے اور صرف اوپر ایک طرف سے وہ بقیہ زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جیسے انسان کے سینے میں دل ہوتا ہے کہ تین طرف سے وہ جسم سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور ایک طرف سے وہ جڑا ہوا لٹک رہا ہوتا ہے اور دھڑک رہا ہوتا ہے۔ جب تک دل سلامت ہے انسان کی زندگی قائم ہے۔ اگر آپ دنیا کا جغرافیہ سامنے رکھ کر دیکھیں تو آپ کو جزیرۂ عرب پوری دنیا کا جغرافیائی دل نظر آئے گا۔ جب تک یہ جغرافیائی دل رہے گا یہ دنیا رہے گی اور جب یہ نہیں رہے گا تو یہ دنیا بھی نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس جغرافیائی دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا۔

بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جزیرۂ عرب کی حالت:

نبی ﷺ کی آمد سے پہلے یہ ایک ایسا علاقہ تھا کہ اس وقت دنیا کی جو بڑی بڑی حکومتیں تھیں ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے کہ خشک پہاڑ تھے، سبزہ نہیں تھا، پانی موجود نہیں تھا، آسائش کے اسباب تو کجا، ضروریاتِ زندگی ہی نہیں ملتی تھیں۔ اس لیے باہر کے بادشاہوں کو اس علاقے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

چنانچہ مقامی لوگ جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون لاگو تھا، جو زیادہ طاقتور تھا اس کی زیادہ چلتی تھی۔ وہ کسی قانون کے پابند نہیں تھے۔ چند سردار مل کر جو بات طے کر دیتے تھے وہی قانون ہوتا تھا۔ ظلم وستم، انانیت اور حقوق کی پامالی، وہاں کا عام معمول تھا۔ پڑھائی لکھائی اس علاقے میں بالکل ہی نہیں تھی۔ وہ لوگ لکھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ ہاں! وہ ہر چیز کو زبانی یاد رکھتے تھے، لکھنے کو وہ عار سمجھتے تھے۔ ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہوتے تھے۔ ان کو اپنے خاندانی نسب نامے کی Chain (لڑی) بیس بیس واسطوں تک زبانی یاد ہوتی تھی۔ قبیلوں کے شجرے یاد ہوتے تھے، حتی کہ گھوڑوں کے شجرے بھی یاد رکھتے تھے کہ یہ سب سے پہلے کس کے پاس تھا، پھر کس کے پاس بکا، پھر کس کے پاس آیا، تو ان کے شجرے بھی ان کو یاد ہوتے تھے۔ قوتِ حافظہ ان لوگوں میں بہت تھی۔ یہ فطرت ہے انسان کی کہ جس صلاحیت کو زیادہ استعمال کیا جائے، انسان کی وہ صلاحیت اور زیادہ بڑھتی ہے۔ چونکہ وہ لکھتے تو تھے نہیں، ہر چیز کو زبانی یاد رکھتے تھے، اس لیے ان کی یادداشت بہت اچھی تھی۔ چنانچہ جب میلے لگتے تھے تو وہ اس میں ہزاروں اشعار

زبانی سناتے تھے، قصے زبانی سناتے تھے۔ یہ ان کی زندگی تھی۔

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے ان پڑھ معاشرے میں بھیجا۔ نبی ﷺ نے وہاں صداقت کے بیج بوئے اور وحی کی بارش ہوئی۔ پھر گلشن نے وہ بہار دیکھی جو دنیا میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

جزیرۂ عرب میں بعثت کی حکمتیں:

نبی ﷺ کو جزیرۂ عرب میں کیوں بھیجا گیا؟ اس میں تین حکمتیں ہیں:

(۱)...... پہلی بات یہ کہ عرب کے لوگوں کی جو طبیعت تھی وہ جلدی ماننے والی نہیں تھی، اور جب مان لیتے تھے تو پھر اس سے ٹلتے نہیں تھے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ وہ ''ہاں'' اور ''ناں'' کے درمیان کوئی تیسری بات نہیں جانتے تھے۔ کسی بات پہ یا تو ہاں کرتے تھے یا ناں کرتے تھے۔ لہٰذا کئی صحابی جو بعد میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کو بتایا کہ جب ہم کافر تھے تو سب سے زیادہ نفرت آپ کے خیمے کے ساتھ تھی اور جب کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں سب سے زیادہ محبت اس خیمے کے ساتھ ہوگئی۔ تو ان کی طبیعت ہی ایسی تھی، وہ ڈھلمل لوگ نہیں تھے۔ ان کے اندر determination Power (قوتِ ارادی) بہت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بھیجا کہ یہ لوگ جورف اور ٹف لوگ ہیں، یہ اس دعوت کو قبول کرلیں گے تو یہ اس دعوت کو پوری دنیا میں پھیلانے کا سبب بن جائیں گے۔

(۲)...... دوسری بات یہ کہ وہاں کے Circumstances (ماحولیاتی عوامل) بہت سخت قسم کے تھے۔ یہاں موسم کی شدت تھی، گرمی بہت زیادہ تھی اور پانی ملتا نہیں۔ کھانے کو کوئی چیز نہیں ملتی تھی، بھوک پیاس بہت تھی۔ گویا وہاں مجاہدہ بہت

تھا۔ ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا کہ جب اتنی مشقت کی زندگی گزارنے والے لوگ اس کام کو قبول کرلیں گے تو دنیا میں باقی جگہوں پر جہاں آسانیاں ہیں، اس کام کو پہنچانا آسان ہوجائے گا۔

(۳)......تیسری بات یہ کہ وہ فصیح اللسان لوگ تھے۔ وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے اور باہر والوں کو عجم کہتے تھے۔ عجم کا معنی ہے ''گونگا''۔ یعنی ان کو اپنی زبان دانی پہ اتنا ناز تھا کہ یہ اپنے تئیں دوسروں کو گونگا سمجھتے تھے۔ یعنی جو اپنے احساسات کو صحیح طریقے سے بیان بھی نہیں کرسکتے۔ تو وہ کہتے تھے کہ پوری دنیا میں صرف ہم لوگ ہیں جو اپنے مافی الضمیر کو صحیح طور پر بیان کرنا جانتے ہیں۔ اور واقعی عربی زبان ایسی ہی زبان ہے کہ عربی کے ایک ایک لفظ کے لیے دوسری زبان میں بیس بیس الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ تو وہ جانتے تھے کہ اپنی Feelings (احساسات) کو کیسے Express (بیان) کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو ان میں بھیجا کہ یہ لوگ اگر اسلام کے پیغام کو قبول کرلیں گے تو چونکہ ان کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا فن آتا ہوگا، اس لیے یہ پھر دنیا میں پہنچیں گے تو لوگوں کو اسلام کا پیغام آسانی کے ساتھ پہنچادیں گے۔

لہٰذا ان تین باتوں کی وجہ سے یہ لوگ دعوت الی اللہ کے لیے موزوں ترین لوگ تھے۔ جو مجاہدہ بھی کرسکتا ہو اور جس کی شخصیت کے اندر کھراپن بھی ہو اور جس کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنا بھی آتا ہو، ایسا بندہ بہت اچھا داعی بن سکتا ہے۔

کھلی کتاب جیسی زندگی:

نبی ﷺ ایسے دور میں تشریف لائے جب تاریخی اعتبار سے روشنی کا زمانہ تھا۔ اگر پہلے

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ڈھونڈنا چاہیں تو آپ کو حالات نہیں ملیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالاتِ زندگی ان کی وفات کے سو سال کے بعد کسی نے لکھے اور اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے حالات تو موجود ہی نہیں ہیں، مگر ہمارے نبی ﷺ ایسی تاریخی روشنی کے زمانے میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے حالاتِ زندگی بچپن سے لے کر آپ ﷺ کے پردہ فرمانے تک پوری طرح محفوظ ہیں۔ اتنے محفوظ حالاتِ زندگی شاید کسی کے نہیں ہوں گے۔

عام دستور یہ ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے کچھ حصے کو دوسروں کے سامنے لاتے ہیں اور کسی حصے کو دوسروں سے چھپاتے ہیں، حتیٰ کہ گھر میں بیوی سے بھی کہتے ہیں: ہم گھر کی باتیں گھر ہی میں رکھیں گے، باہر کہیں نہیں بتائیں گے۔ بچوں کو بھی منع کریں گے کہ بیٹا! گھر کی بات باہر نہیں بتائی جاتی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ کی مبارک زندگی اتنی کھلی اور ڈھلی تھی کہ آپ ﷺ نے دوستوں کو بھی کہا کہ تم جو مجھے کرتا دیکھو یا سنو، اس کو دوسروں تک پہنچاؤ اور گھر میں اپنی بیویوں کو بھی یہی کہا کہ تم مجھے گھر میں جس طرح رہتے دیکھتی ہو، تم میری یہ باتیں دوسری عورتوں تک پہنچانے کی پابند ہو۔

آپ ﷺ کی زندگی کھلی کتاب جیسی زندگی تھی۔ کتنی خوبصورت اور پاکیزہ زندگی ہوگی!! آپ کی زندگی کا ہر پہلو محفوظ ہے۔ مغربی مفکرین نے بھی نبی ﷺ کے بارے میں لکھا کہ

He was born in the full light of history

''آپ ﷺ پوری تاریخی روشنی کے زمانے میں تشریف لائے۔''

فقط اللہ کا سہارا:

سیرت، عادات کو کہتے ہیں اور عادات مصائب و آلام کے بغیر نہیں سنورتیں...... خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں...... اگر نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھیں تو ابتدا

سے ہی مصائب وآلام کی زندگی تھی۔آپ کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے آپ کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ پھرابھی چندسال کے تھے کہ آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں۔ پھر دوسال اور گزرے تو دادا بھی فوت ہو گئے۔ جو سہارے تھے وہ سارے کے سارے ٹوٹتے چلے گئے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اللہ رب العزت یہ چاہتے تھے کہ میرے حبیب ﷺ نے دنیا میں آ کر ایک اللہ سے مدد مانگنے کا پیغام دینا ہے، اگر یہ خود سہاروں کے ذریعے سے تربیت پا کر بڑے ہوئے تو دنیا طعنہ دے گی کہ خود سہاروں سے پلنے والے آج کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ دیکھو کہ ہم سب سہاروں کو توڑ کے دکھا دیتے ہیں کہ جس کا سہارا اللہ بن جاتا ہے اس کو کسی اور سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

ع ہم سہاروں سے دور رہتے ہیں
دل بہلتا ہے بے سہاروں سے

حیوانی معاشرے میں نبی علیہ السلام کی آمد:

جب نبی ﷺ تشریف لائے تو عربوں کی زندگی اس وقت بالکل جانوروں جیسی تھی، ظلم وستم عام تھا، قتل وغارت عام تھی۔ حالت یہ تھی کہ عکاظ کا میلا لگا ہوا تھا، ایک آدمی اپنی ٹانگ پھیلا کر بیٹھ گیا کہ کوئی ہے میری ٹانگ کو پیچھے ہٹانے والا؟ دوسرا آیا اور اس کی ٹانگ کے اوپر تلوار سے وار کیا، اب ان دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ یہ دو بندوں کی لڑائی دو قبیلوں کی لڑائی بن گئی۔ اور کئی مرتبہ یہ لڑائیاں پچاس پچاس سال تک چلتی رہتی تھیں۔

وہ انسان نما جانور تھے۔ وہ اتنے بے حس تھے کہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر اس

کو پکاتے تھے، جانور پہ کیا گزر رہی ہے؟ اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ باپ فوت ہوتا تھا تو جس طرح اس کا مال بیٹوں میں تقسیم ہوتا تھا اسی طرح ماں بھی بیٹوں میں تقسیم ہوتی تھی اور بیٹا اس کو اپنی بیوی بنالیتا تھا۔ بیٹی کے نام سے ان کو اتنی نفرت تھی کہ نام تک سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایسے لوگوں کو انسان کون کہے.....؟

قلیل مدت میں عظیم انقلاب:

ایسے بگڑے ہوئے لوگوں میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو بھیجا۔ پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے ان پر ایسی محنت کی کہ تیئس سال کے قلیل عرصہ میں ان کی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا کر کے رکھ دیا۔ جب نبی ﷺ نے پردہ فرمایا تو ایک مغربی مؤرخ ہٹی نے لکھا:

After the death of MUHAMMAD the land of Arabia became the nursary of heroes.

''نبی علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی۔''

جیسے پھولوں کی نرسری ہوتی ہے اور اس میں ہزاروں لاکھوں پھول ہوتے ہیں، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ہر بندہ ہیرو تھا، یعنی وہ قائدانہ صلاحیتوں سے بھرپور تھا۔ اب تیئس سال کے مختصر عرصے میں ایسی جماعت بنا دینا، یہ ایک بہت عجیب بات ہے۔

اعلانِ نبوت سے پہلے معاشرے کی پسندیدہ شخصیت:

جب نبی ﷺ تشریف لائے اور چالیس سال کی عمر میں آپ نے نبوت کا اعلان

فرمایا تو اعلان فرمانے سے پہلے آپ اس پورے علاقے کے بہت ہی زیادہ Faverout (ہر دلعزیز) شخصیت تھے۔ ہر آدمی آپ سے محبت کرتا تھا، ہر آدمی آپ کو پسند کرتا تھا۔ آپ کی ذہانت کو مانتے تھے، حتی کہ جب انہوں نے بیت اللہ شریف کو بنانا تھا تو فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ حجرِ اسود کو کون اپنی جگہ پر نصب کرے۔ ہر قبیلے کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ یہ عزت ہمیں ملنی چاہیے۔ بالآخر نبی ﷺ کو فیصلہ کرنے کے لیے کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فیصلہ یہ کیا کہ چادر بچھائی اور تمام قبیلوں کے بڑے سرداروں کو کہا کہ چادر کو پکڑ لیں اور اس کے اندر حجرِ اسود رکھ کر اسے اٹھا کر سب لے کر چلیں۔ جب بالکل قریب آ گیا تو آپ نے اٹھا کر اسے نصب فرما دیا۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۰۹)

اتنے بڑے مسئلے کو اتنی آسانی کے ساتھ حل کر دیا۔ تو لوگ آپ کی شخصیت اور حکمت و دانائی کے پہلے ہی معترف تھے۔

دعوتِ توحید:

جب آپ نے نبوت کا دعوی کیا تو وہ لوگ جو آپ کو اتنا پسند کرتے تھے، وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔ قوم کو جمع کرنے کے اور بھی تو طریقے ہو سکتے تھے، مثلاً: آپ اپنی قوم، قریشِ مکہ کو کہتے کہ دیکھو! ہم عرب ہیں، ہم سب اکٹھے ہو جائیں اور اپنے علاقے کی ڈویلپمنٹ کریں۔ وہ سب ایک ہو جاتے اور آپ کو اپنا لیڈر بنا لیتے۔

اگر آپ اکنامکس کا نعرہ لگا دیتے کہ لوگو! کھانے کو کچھ نہیں...... پینے کو پانی نہیں، جینے کو پانی نہیں، آؤ! ہم مل کر کوئی لائحہ عمل بناتے ہیں، کوئی تجارت کے اصول وضع کرتے ہیں، تاکہ ہم اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں، تو وہ لوگ یقیناً اس آواز پر لبیک کہتے

اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے، مگر نہیں! آپ نے لیڈر بننے کا یہ جو آسان طریقہ تھا، اس کو نہیں اپنایا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کیا۔

آپ نے وہ طریقہ اپنایا جو سب سے زیادہ مشکل تھا۔ آپ نے لوگوں کو دعوت دی کہ لوگو! تم جن معبودوں کی پیروی کرتے ہو، یہ سب کے سب تمہارے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں، عبادت کے لیے فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے جو خالقِ کائنات ہے۔ لوگوں نے تو بیت اللہ شریف میں مٹی کے خدا، لوہے کے خدا، پتھر کے خدا، آٹے کے خدا، بڑے خدا، چھوٹے خدا، موٹے خدا، سب جھوٹے خدا...... ۳۶۵ بت جمع کر رکھے تھے۔ نبی ﷺ نے آکر ایک ہی بات کہی:

((قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا)) (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۱۵۳)

''کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔''

اپنوں میں ہیرو:

اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے۔ غیر لوگوں میں بڑا بننا آسان ہوتا ہے۔ اگر انسان کہیں پردیس میں چلا جائے، تو وہاں اچھا خطیب بننا بھی آسان، بڑا پیر بننا بھی آسان، عالم بننا بھی آسان۔ کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ اصل تو اپنوں میں کچھ بن کے دکھانا ہوتا ہے اور یہ بڑا مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں، جب کہ نبی ﷺ اپنوں میں بڑے بنے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

No man is hero to his valet

''اپنوں میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا۔''

دراصل جو قریب کے لوگ ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے، مگر نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھیں کہ جو جتنا قریبی تھا وہ اتنا پہلے ایمان لایا۔

انسان کے سب سے قریب کون ہوتا ہے؟ بیوی ہوتی ہے۔ وہ تنہائی کو بھی جانتی ہے اور جلوت کو بھی جانتی ہے، لیکن نبی ﷺ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کس نے کہا؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ پھر جو گھر کے بچے ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں۔ تو غور کریں کہ نبی ﷺ پر بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ یہ گھر کے لوگ تھے۔ پھر جو بہت قریبی دوست ہوتا ہے وہ حقیقت کو جانتا ہوتا ہے، وہ راز دان ہوتا ہے، اس کو سب اونچ نیچ کا پتا ہوتا ہے۔ تو نبی ﷺ پر آزاد لوگوں میں سب سے پہلے ایمان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لے آئے، جو سب سے قریبی تھے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جو جتنے قریب تھے وہ اتنا پہلے ایمان لے آئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ زندگی تھی ہی اتنی خوبصورت، اتنی حسین اور پھولوں سے زیادہ نازک۔

نبوت کی کھلی دلیل:

آج اگر کوئی آدمی کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دلیل کے طور پر بہت ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ کیا عجیب ہے کہ جب آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی نبوت کی دلیل کیا ہے؟ تو اس پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ (یونس:۱۶)

”آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔“

میری زندگی اس بات پر گواہ ہے۔تو دلیل کے طور پر اپنے کردار کو پیش کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دنیا میں کوئی دوسرا بندہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس نے اپنے کردار کو پیش کیا ہو۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیکھو! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں زندگی گزاری ہے۔اس کا مطلب ہے:

- ......اتنی پاکیزہ زندگی تھی۔
- ......اتنی پاکدامنی کی زندگی تھی۔
- ......اتنی دیانتداری کی زندگی تھی۔
- ......اتنی امانتداری کی زندگی تھی۔
- ......اتنی دوسروں کے ساتھ غم خواری کی زندگی تھی۔

کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

کردار......سب سے بڑا ہتھیار:

دنیا تلوار کا مقابلہ تو کر سکتی ہے، کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کردار بہت عظیم ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے کردار کو پیش کیا۔

انوکھا فاتح:

فتح مکہ کا موقع ہے، نبی ﷺ سواری پر سوار ہیں، مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایسے موقع پر عام دستور یہ ہوتا ہے:

- ......نعرے ہوتے ہیں۔
- ......دعوے ہوتے ہیں۔
- ......ڈھول باجا ہوتا ہے۔

◇ ......تماشا ہوتا ہے۔

◇ ......فتح کا جشن منایا جاتا ہے۔

مگر دنیا نے یہ عجیب فاتح دیکھا، جھکے ہوئے ہیں، سواری کی گردن کے بالوں سے پیشانی لگ رہی ہے اور اس حالت میں فرما رہے ہیں:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴۷۰۵)

''سب تعریفیں اس ایک اللہ کے لیے ہیں، اس ایک اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی، اس ایک اللہ نے سب مخالفوں کو شکست عطا فرما دی۔''

خود کریڈٹ نہیں لیا، ساری تعریفیں اللہ کی طرف منسوب کیں۔ کردار سے دکھا دیا۔ اب اس کردار کا مقابلہ کوئی کیا کرے؟

اخلاقی فتوحات:

پھر لوگ جب جیت جاتے ہیں تو دشمنوں کو عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں...... اتنا ظلم کرتے ہیں...... یہ عجیب فاتح ہے کہ اللہ نے جیت بھی عطا فرما دی، فاتح مکہ بھی بنا دیا، مگر اس کے باوجود دشمنوں سے درگزر کیا، معاف کر دیا۔ اور معاف بھی ایسے لوگوں کو کیا جنہوں نے آپ ﷺ پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ سبحان اللہ!

ہندہ سے درگزر:

ایک خاتون جس کا نام ہندہ تھا، اس نے اپنے ایک غلام کے ذریعے سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو میدان احد میں شہید کروایا، اور جب پتہ چلا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو وہ اپنے باپ کا انتقام لینے کی خاطر آئی اور اس نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے سینے مبارک کو کھولا اور اندر

سے دل نکالا اور دل کو کاٹ کر دانتوں سے چبایا۔ اس کے اندر کتنا انتقام ہوگا......! کتنا غصہ ہوگا......! کتنی نفرت ہوگی......! کتنا کینہ ہوگا......! اس کا اندازہ تو لگا سکتے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ کلیجہ چبایا، بلکہ باقی اعضاء کو بھی نکالا اور ان کو پرو کر اس کا ہار گلے میں ڈالا۔ ہندہ اپنا انتقام لے رہی تھی، مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ ایک شہید کے ان اعضاء کا جو ہار میں پہن رہی ہوں تو میں اپنی بازی کو ہار رہی ہوں۔ اور ایسے ہی ہوا۔ جب مکہ فتح ہوا تو ہندہ کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے، اس کو یوں دیوار پہ لکھا نظر آتا تھا کہ آج میرے قتل کا حکم دے دیا جائے گا، مگر وہ آتی ہے اور نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچتے ہی کلمہ پڑھ لیتی ہے۔

ایسے دشمن کے بارے میں عام طور پر بندے کا کیا رویہ ہوتا ہے؟ کوئی معذرت قبول نہیں کرتا۔ پاؤں پکڑے، منت کرے، سماجت کرے تو وہ سنتا ہی کوئی نہیں، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو کہا: ہاں! تم نے اگر میرے پیغام کو تسلیم کر لیا تو میں اپنی ذاتی رنجش کی وجہ سے تجھے کبھی سزا نہیں دوں گا۔ عفو و درگزر اتنی زیادہ تھی۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے درگزر:

نبی ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ شیبی کو کہا کہ عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھول دو، میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اندر داخل ہوں اور اللہ کی عبادت کروں۔ عثمان نے منع کر دیا۔ آپ ﷺ کا دل بہت غمزدہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان! ایک وقت آئے گا جس حال میں تم کھڑے ہو اس میں میں ہوں گا اور جس حال میں میں کھڑا ہوں اس میں تم ہو گے، تو عثمان کو غصہ آیا۔ آپ چلے گئے۔

اب جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے عثمان کو بلوایا۔ عثمان چابی لے کر آیا۔ نبی ﷺ نے عثمان سے کہا کہ چابی دو! آپ ﷺ نے چابی لی، دروازہ کھلوایا،

بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر نماز ادا فرمائی، اللہ کی عبادت کی۔ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ ہیں اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ایک شوق اٹھ رہا ہے، ایک تمنا اٹھ رہی ہے کہ اب اس بندے سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چابی تو لے لی، اللہ کرے کہ یہ چابی ہمیں عطا کر دی جائے اور بیت اللہ کے دربان ہونے کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں، سب حضرات قریب قریب ہیں اور انتظار میں ہیں کہ دیکھیں! آج یہ کنجی کس کے ہاتھ میں جائے گی۔

عام دستور یہی ہے کہ جب حکومتیں بنتی ہیں، شاہی ملتی ہے تو اپنوں کو نوازا جاتا ہے، جو اپنے سپورٹر ہوتے ہیں، جو اپنے قریبی ہوتے ہیں، تعاون کرنے والے ہوتے ہیں ان سب پر مہربانیاں ہوتی ہیں، مگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دروازہ بند کروایا تو آپ نے عثمان کو بلایا۔ فرمایا: عثمان! اس وقت کو یاد کرو جب کنجی تمہارے ہاتھ میں تھی اور میں خالی ہاتھ تھا اور میں نے تم سے یہ کہا تھا: عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھولو میں اندر جانا چاہتا ہوں، مگر تم نے ناں کی تھی، اور عثمان! میں نے اس وقت تمہیں کہا تھا: ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جس پوزیشن میں تم کھڑے ہو، میں ہوں گا اور جس پوزیشن پہ میں ہوں، تم ہو گے، عثمان! میرے اللہ نے وعدے کو پورا کر دیا، آج کنجی میرے ہاتھ میں ہے، تم خالی ہاتھ ہو، مگر عثمان! تم نے جو میرے ساتھ کیا تھا میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا، میں یہ چابی واپس تمہیں دیتا ہوں، یہ قیامت تک تمہاری ہی نسل میں موجود رہے گی۔ (تفسیر در منثور: ۴/ ۴۹۵)

یہ کردار کی عظمت ہوتی ہے، یوں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے دلوں کو فتح

فرمایا لیا تھا۔

اسلام تلوار سے نہیں، کردار سے پھیلا:

آج دنیا کہتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ایسا نہیں ہے۔ اسلام تو کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ تلوار خود بخود نہیں چلتی، تلوار کے پیچھے چلانے والے ہاتھ ہوتے ہیں۔ وہ جو چلانے والے ہاتھ تھے ان کے دلوں کو کس نے فتح کیا؟ بیرون ملک میں ایک دفعہ ایک صاحب بحث کرنے لگے، کہنے لگے کہ جی! وہ تو چند جنگجو اکٹھے ہو گئے تھے اور انہوں نے تلوار کے زور پہ اسلام کو پھیلا دیا تھا۔ تو میں نے اس سے سوال پوچھا کہ چند جنگجو اکٹھے ہو گئے تھے، ان کے دلوں کو کس تلوار نے اکٹھا کیا تھا؟ کہنے لگا: ہاں! وہ تو مسلمانوں کے نبی ﷺ کے اخلاق اور محبت سے اکٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: اصل چیز یہ تھی کہ دینِ اسلام کردار کے زور سے پھیلا ہے۔

دل کو مسخر کر دینے والے اخلاق:

اس کردار کی عظمت کو دیکھنا ہے تو ذرا نبی ﷺ کی زندگی کو دیکھیے! قدم قدم پر آپ ﷺ کے اخلاق کے اعلیٰ نمونے سامنے آئیں گے۔

- ......اللہ کے حبیب ﷺ جب بھی بیت اللہ کی طرف جاتے تھے تو راستے میں ایک عورت بہانے سے کوڑا کرکٹ سر پہ ڈال دیتی تھی۔ وہ تاک میں رہتی تھی، جب بھی آپ ﷺ گزرتے تو وہ چھت کے اوپر سے کوڑا کرکٹ اس طرح سے ڈالتی کہ مٹی آپ ﷺ کے کپڑوں پہ پڑتی۔ ایک دفعہ نہیں......دو دفعہ نہیں......درجنوں دفعہ یہ واقعہ پیش آیا۔ ایسی صورتِ حال میں دل کو کتنی ایذا پہنچتی ہے اور کتنا غصہ آتا ہے؟! مگر اللہ کے حبیب ﷺ جانتے تھے کہ یہ بیوہ عورت ہے اس لیے آپ خاموشی اختیار فرماتے تھے۔

اب اللہ کی شان دیکھیے! وہ بیوہ بیمار ہوگئی اور کچھ دن اس نے کوڑا کرکٹ نہیں پھینکا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کو حیرانی ہوئی کہ یہ عورت کیوں نہیں کوڑا کرکٹ پھینکتی۔ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے۔ آپ ﷺ اس کے دروازے پہ تشریف لے گئے، دروازہ کھٹکھٹایا...... اندر بیوہ عورت ہے اور اس کی ایک جوان العمر بیٹی ہے...... کوئی مرد نہیں جو اس کی صحیح تیمارداری کر سکے۔ جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو بیٹی بھاگی ہوئی آئی، اس نے کواڑ سے دیکھا تو نبی ﷺ کو کھڑے پایا...... گھبرا گئی...... اس نے کہا: امی! میں آپ کو منع کرتی تھی کہ کوڑا کرکٹ نہ ڈالا کریں اور آپ ضد اور غصے میں آکر یہ کام کرتی تھیں، آج دیکھو! وہ بندہ دروازے پہ کھڑا ہے، تم بیمار ہو، میں جوان العمر ہوں، آج ہمارا کیا بنے گا؟ کوئی مرد نہیں جو آج ہمیں اس سے بچائے۔ عورت جب یہ بات سنتی ہے تو تھوڑی دیر سوچتی ہے، پھر کہتی ہے: ہاں! میں نے سنا ہے کہ وہ اچھے اخلاق والے ہیں، تم جاؤ، دروازہ کھولو اور پوچھو! کیا کہنے آئے ہیں؟ اس لڑکی نے دروازہ کھولا، پوچھا: آپ نے دروازہ کیوں کھٹکھٹایا؟ نبی ﷺ فرماتے ہیں: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہاری والدہ بیمار ہے، گھر میں سودا سلف لانے کے لیے کوئی مرد نہیں، میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر کوئی دوا منگوانی ہو تو میں حاضر ہوں۔ وہ عورت جو کوڑا کرکٹ ڈالا کرتی تھی، جب وہ اس بات کو سنتی ہے تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جاتی ہے...... کردار کی عظمت عجیب چیز ہے۔

◇...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک بڑھیا اپنا سامان گٹھڑی وغیرہ لے کر کہیں جا رہی تھی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس بڑھیا کو دیکھا تو آپ ﷺ نے کہا: اماں! یہ بوجھ آپ کا میں اٹھا لیتا ہوں اور جہاں لے جانا ہے میں وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ وہ بڑھیا بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی: ہاں! اے نوجوان! تم کتنے اچھے ہو! تم مجھے ہیلپ آؤٹ کر دو اور یہ سامان ذرا مکہ مکرمہ سے

باہر پہنچا دو۔ جہاں تک وہ گئی، اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کا سامان وہاں پہنچا دیا۔ جب سامان پہنچا کر واپس آنے لگے تو وہ بڑھیا کہنے لگی: نوجوان! میں تمہیں نصیحت کرتی ہوں کہ اپنے باپ دادا کے دین پر جمے رہنا۔ مکہ مکرمہ میں کوئی نیا آدمی آیا ہے جو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ان کی پرستش سے منع کرتا ہے، میں نے اپنی پوری زندگی اپنے بڑوں کے دین پر گزاری ہے، میں نے سنا ہے کہ اس کی باتوں میں بڑا اثر ہے...... انہیں سن کر لوگ اپنے دین کو چھوڑ دیتے ہیں...... میں نہیں چھوڑنا چاہتی۔ اس لیے میں شہر چھوڑ کے آ گئی ہوں کہ میرے کانوں میں اس کی بات ہی نہ پڑے۔ اور میں تمہیں بھی نصیحت کرتی ہوں کہ تم بھی ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ نبی علیہ السلام یہ سب باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر آپ ﷺ جب وہاں سے چلنے لگے تو اس وقت وہ پوچھتی ہے کہ نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے میرے ساتھ اتنا اچھا معاملہ کیا کہ میرا سامان یہاں پہنچا دیا، میں جب کبھی مکہ مکرمہ آؤں گی تو تمہیں آ کر ملوں گی۔ جب اس نے پوچھا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے جواب دیا: اماں! جس کے بارے میں تو اب تک کہہ رہی تھی کہ وہ برا انسان آ گیا ہے، میں وہی محمد (ﷺ) ہوں۔ تو بڑھیا کہتی ہے: اگر تم وہی ہو جس نے آ کر توحید کا دعویٰ کیا ہے تو میں بھی کلمہ پڑھتی ہوں اور مسلمان ہوتی ہوں۔

تو اسلام تلوار کے زور سے نہیں، کردار کے زور سے پھیلا ہے۔ بتایئے!

◈ ......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس تلوار نے فتح کیا؟

◈ ......حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بہادر، جنگجو جرنیل کو کس تلوار نے فتح کیا؟

یہ نبی ﷺ کے اخلاق تھے جس نے ان کے دلوں کو مسخر کیا۔ پھر ایسی بھی جگہیں ہیں جن میں مسلمانوں کی کوئی فوج نہیں گئی، جیسے حبشہ، بحرین، وغیرہ مسلمانوں کے جانے

سے پہلے وہاں اسلام قبول کرلیا گیا تھا۔تو معلوم ہوا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں، اخلاق کے زور سے پھیلا ہے۔کردار دیکھنے میں بڑی بے قیمت چیز نظر آتی ہے، مگر یہ بڑی سے بڑی قیمتی چیزوں کو بھی خرید لیا کرتا ہے۔اس لیے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو کردار بنانے کی طرف متوجہ کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کیے، عادات پیدا کیں کہ جن کی وجہ سے وہ ایک عظیم انسان بن کر زندگی گزارنے والے بن گئے۔

انقلابِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عجائب

نبی ﷺ نے جو دنیا میں انقلاب پیدا کیا، اس انقلاب کی چند باتیں تو بڑی عجیب ہیں:

1......کم وقت میں انقلاب:

پہلی بات کہ دنیا میں ہر تبدیلی کے آنے میں وقت لگا کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو پہلے تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں قریشِ مکہ کی مشقتیں ہی برداشت کرتے رہے۔ پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو اس کے بعد دس سال تھے۔دس سال کی مدت، قوموں کی مدت کے اعتبار سے بہت تھوڑی مدت ہوا کرتی ہے۔آج کے حالات کو دیکھ لیں کہ دس سال گزرتے ہیں تو کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟ کچھ بھی نہیں آتیں، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے دس سال کی قلیل مدت میں انسانوں کے دلوں کو اس طرح بدل کے رکھ دیا کہ جزیرۂ عرب کے اندر ایک انقلاب آ گیا۔

2......کم وسائل سے انقلاب:

پھر انقلاب لانے کے لیے وسائل استعمال کرنے پڑتے ہیں۔آج کی دنیا میں

انقلاب لانے کے لیے ٹریلین آف ڈالرز استعمال ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا تو وسائل کی کتنی کمی تھی، کھانے کی چیز نہیں ہوتی تھی، پہننے کو پورا کپڑا نہیں ہوتا تھا، وسائل تھے ہی نہیں، اتنے کم وسائل میں، اتنے کم وقت میں اور اتنے کم نقصان کے ساتھ یہ انقلاب آ گیا۔

3......کم نقصان سے انقلاب:

کم نقصان سے کیا مراد؟ کہ دنیا میں انقلاب آتے ہیں تو خون بہایا جاتا ہے۔ چنگیز خان کے حالاتِ زندگی پڑھ لیجیے، ہلاکو کے حالاتِ زندگی پڑھ لیجیے!

- ......فرانس میں انقلاب آیا تو پچیس لاکھ آدمی مارے گئے۔
- ......روسی انقلاب میں چالیس لاکھ انسان مارے گئے۔
- ......ہند کی آزادی میں پانچ لاکھ آدمی کام آئے۔
- ......اور جب ملک تقسیم ہوا تو ایک کروڑ لوگ مارے گئے۔

کروڑوں انسانوں کی زندگیاں انقلاب لانے میں کام آتی ہیں۔ نبی ﷺ کا یہ انقلاب اتنا عجیب تھا کہ آپ کی مبارک زندگی میں مسلمان اور کافر دونوں طرف سے جو لوگ جنگوں میں فوت ہوئے یا مارے گئے ان کی تعداد ایک ہزار تریسٹھ تھی۔ آج تو عام معمول کے ملکوں میں ایک مہینے میں ایک ہزار بندے مار دیے جاتے ہیں۔

اب کہنے کی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی تین خاص باتیں ہیں۔ اتنے کم وقت میں، اتنے کم وسائل کے ساتھ اور اتنے کم نقصان کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا کر دینا، یہ اللہ کے حبیب ﷺ کی شان تھی۔ پوری دنیا کے لیے ایک چیلنج ہے کہ کوئی قدم بڑھائے اور ایسا انقلاب برپا کر کے دکھائے۔ کوئی بھی ایسا عظیم

انقلاب بر پا نہیں کر سکے گا۔

کامیاب اور مکمل انقلاب:

آج دنیا میں لوگ آتے ہیں، کہتے ہیں: جی! ہمارا Tenure (عرصہ) دس سال تھا ہم یہ کام نہ کر سکے اور موقع ملتا تو ہم اور کرتے۔

لوگ فوت ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے:

◇ ...... جی! اس نے بڑا کام کیا، زندگی نے وفا نہ کی اور موقع ملتا تو یہ بڑے کام کرتا۔

◇ ...... اس سائنسدان نے بڑی ریسرچ کی، زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنے کام کو پورا نہ کر سکا۔

◇ ...... اس رائٹر نے بڑی کتابیں لکھیں، اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اور کتابیں لکھتا۔

◇ ...... اس فاتح نے بڑے ملکوں کو فتح کیا اور اگر زندہ رہتا تو اور فتوحات کرتا۔

اکثر یہی کہا گیا کہ یہ اپنے کام کو پورا نہ کر سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے جتنے لوگوں کی زندگیاں ہیں سب ادھوری زندگیاں ہیں۔ تاریخِ انسانیت میں صرف ایک زندگی ایسی نظر آتی ہے جو کامل، مکمل اور اکمل زندگی ہے۔ وہ کیسے؟ نبی ﷺ نے ایک لاکھ پچیس ہزار صحابہ کرام کے سامنے کھڑے ہو کر...... رات کی تاریکی میں نہیں، دن کی روشنی میں...... جنگل کی تنہائی میں نہیں، بھرے مجمع میں کہا: لوگو! میں جس مقصد کے لیے دنیا میں آیا تھا، کیا میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا ہے؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ نے گواہی دی: اے اللہ کے حبیب (ﷺ)! آپ نے امانت کو پہنچا دیا، امت کو نصیحت کر دی اور اپنا کام پورا کر دیا۔ نبی ﷺ نے انگلی کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ)) ''اے اللہ! (اس پر) تو گواہ رہنا۔'' (صحیح البخاری، حدیث: ۱۶۲۵)

سیرت النبی......انسانیت کے لیے آسمان کے مانند

چنانچہ میرے دوستو!

◇ ...... مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی آپ نے سکھائی۔

◇ ...... اعتقادات میں توہم پرستی کے بجائے حق پرستی کی بنیاد آپ نے ڈالی۔

◇ ...... سائنس میں فطرت کو پوجنے کے بجائے اس کو مسخر کرنے کا سبق آپ نے دیا۔

◇ ...... سیاست میں نسلی بادشاہت کے بجائے عوامی حکومت کا راستہ آپ نے دیا۔

◇ ...... علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی طرح آپ نے ڈالی۔

◇ ...... اور سماجی تنظیم کے لیے ظلم کے بجائے عدل کا باب آپ نے سکھایا۔

توجس نے انسانیت کو ایسی اعلیٰ تعلیمات دی ہوں میرا دل کہتا ہے کہ مسیں اپنی زندگی کا رہبر و رہنما اسی شخصیت کو بناؤں۔

نبی ﷺ کی مبارک سیرت بنی نوع انسان کے لیے آسمان کے مانند ہے۔آپ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں، تھوڑا سا سر اٹھا کر اوپر دیکھیں تو آپ کو سر پر نیلا آسمان نظر آئے گا۔ دنیا میں جہاں بھی ہوں، مشرق میں......مغرب میں......شمال مسیں...... جنوب میں...... جہاں کہیں بھی ہوں، آپ کو نیلا آسمان نظر آئے گا۔ بالکل اسی طرح میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انسانیت کے ناطے اپنی زندگی میں رہنمائی کے لیے کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے نبی ﷺ کی مبارک زندگی آسمانِ انسانیت نظر آتی ہے۔آپ زندگی کے جس شعبے میں چاہیں آنکھ اٹھا کر دیکھیں، آپ کو نبی ﷺ کی مبارک مثالیں نظر آئیں گی۔

بحیثیت خاوند:

ایک خاوند ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اچھا خاوند کیسے بنوں؟ ذرا آنکھ اٹھا کر سیرت کی طرف دیکھے، اللہ کے حبیب ﷺ ایک کامیاب خاوند کی شکل میں اس کو نظر آئیں گے۔ محبت، پیار کی زندگی...... گھر والوں کے حقوق کو ادا کرنا...... گھر کے کاموں کے اندر دلچسپی لینا...... ان کو دین سکھانا...... ان کو اللہ کے قریب کرنا...... ایک کامیاب شوہر کی جتنی ممکنہ خصوصیات ہیں وہ اللہ کے حبیب ﷺ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

بحیثیت والد:

ایک والد کی حیثیت سے دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو کیا محبتیں دیں! سبحان اللہ! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں روٹیاں بنائیں، جب کھانے بیٹھیں اور ایک لقمہ منہ میں ڈالا تو خیال آیا: فاطمہ! تم کھانا کھا رہی ہو، پتہ نہیں تمہارے ابا حضور کو کھانے کو کچھ ملا بھی ہے یا نہیں ملا؟ تو انہوں نے روٹی کو آدھا آدھا کر دیا۔ آدھی روٹی خود کھائی اور آدھی روٹی کو اپنی چادر کے کونے میں باندھا اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ محبوب ﷺ نے پوچھا: فاطمہ! کیسے آنا ہوا؟ اے اللہ کے حبیب! میں کھانا کھا رہی تھی، دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں ابا حضور نے کچھ کھایا یا نہیں، چنانچہ آدھا کھانا میں نے خود کھایا اور بقیہ میں آپ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئی ہوں۔ سبحان اللہ! اللہ ایسی بیٹی ہر ایک کو عطا فرمائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں سے ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈالا اور فرمایا: فاطمہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! تین دن گزر چکے ہیں تیرے باپ کے منہ میں ایک لقمہ روٹی

کا نہیں گیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۴۵۱/۳)

تو بحیثیت والد ایک مکمل زندگی نظر آتی ہے۔

بحیثیت دوست:

بحیثیت دوست کے دیکھیے! آپ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جس طرح نبھایا اور معاملہ کیا، اس میں ایک کامیاب دوست کی شکل نظر آتی ہے۔

بحیثیت امیر:

بحیثیت ایک امیر کے آپ کی مبارک زندگی کو دیکھیے کہ آپ نے اللہ کے قانون کو کیسے سکھایا اور کیسے اس قانون کو لاگو کر کے دکھا دیا۔ ایک قبیلہ کی عورت چوری کرتی ہے تو بہت سفارشیں آتی ہیں، اللہ کے حبیب ﷺ نے خدا کے حکم کو لاگو کرنے میں کسی کی سفارش کو قبول نہ فرمایا۔

بندگیٔ خدا:

اگر ایک بندے کی حیثیت سے زندگی کو دیکھنا چاہیں کہ اللہ کا بندہ بن کر کون کیسے رہ سکتا ہے تو میرے آقا ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھ لیجیے! سارا دن دین کے کاموں میں مشغول ہیں، جب رات آتی ہے تو مصلے پہ کھڑے ہو کر اتنی عبادت فرماتے ہیں:

((حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ)) (بخاری، حدیث: ۴۸۳۶)

''پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے''

سجدے میں سر ڈالتے ہیں، اتنا روتے ہیں کہ ریش مبارک تر ہو جاتی ہے، سجدے کی زمین تر ہو جاتی ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے اتنے لمبے سجدے فرمائے کہ سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں روح پرواز تو نہیں کرگئی؟ میں اٹھی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک کی انگلی کو تھوڑا سا پکڑا تو حرکت ہوئی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ نہیں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی حیات ہیں۔

(الترغیب والترہیب: ۴۶۱/۳)

اللہ اکبر کبیرا...... اتنا لمبا سجدہ!!...... تو ایک بندہ ہونے کی نظر سے دیکھیں تو بھی ایک کامل بندگی کی زندگی نظر آتی ہے۔

گویا سیرت طیبہ نیلے آسمان کی طرح ہے۔ جو بندہ زندگی کے جس موڑ پہ ہے ذرا سیرت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سیرت میں اس کو پوری روشنی نظر آئے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:

- ...... مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی کی تعلیم دی۔
- ...... اعتقادات کو توہّم کے بجائے حق پرستی کی بنیاد فراہم کی۔
- ...... سائنس میں فطرت کی پرستش سکھانے کے بجائے اسے مسخر کرنے کا سبق دیا۔
- ...... سیاسیات میں نسلی بادشاہت کے بجائے عوامی حکومت کا رستہ دکھایا۔
- ...... علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کی بنیاد ڈالی۔
- ...... سماجی زندگی میں ظلم کے بجائے عدل کے اوپر بنیاد رکھی۔

ان تمام تبدیلیوں کا مرکز ومحور کون ہے؟...... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ذات ہے۔

اعترافِ حقیقت:

اسی لیے ایک انگریز نے کتاب لکھی "The Hundred" ''وہ سو افراد جو دنیا میں

بہت کامیاب زندگیاں گزار کر گئے"۔ وہ خود عیسائی ہے، لیکن اس نے ان سو میں سب سے پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے جو محمد ﷺ کو سب سے پہلے لکھا، یہ بہت لوگوں کو حیران کر دے گا، مگر سچی بات یہ ہے کہ

He was the only man in history who was superemely successful on both secular and relegion levels

"جس قدر وہ مذہبی اور سیکولر لیول پر کامیاب زندگی گزار کر گئے ہمیں تاریخ انسانیت میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نظر نہیں آتی۔"

اللہ اکبر!......تو دشمنوں کو بھی یہ حقیقت ماننی پڑی ہے۔

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں نبی ﷺ کی امت میں پیدا فرما دیا۔ ہم آپ کی مبارک زندگی کو پڑھیں، آپ کی سنتوں کو سیکھیں اور اس سے اپنے آپ کو مزین کر کے ایک کامیاب زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

کہنے والے نے نبی ﷺ کی شان میں کیا عجیب بات کہی:

ع اے رسول امین، خاتم المرسلین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

بزم کونین پہلے سجائی گئی ، پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں سید الآخریں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا ، اس زمیں میں ہوا ، آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم ، سب ہیں زیر نگیں ، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اللہ رب العزت ہمیں اس محبوبِ کائنات ﷺ کی مبارک زندگی کو اپنانے کی اور ان کے نقشِ قدم پر پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

تعمیرِ انسانیت

(سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں)

تعمیرِ انسانیت (سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) (المستدرک للحاکم، حدیث:۴۲۲۱)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) (ابن ماجۃ، حدیث:۲۲۵)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دنیا کا ناپائیدار نظامِ حکومت:

تاریخِ انسانیت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے حکمران، فاتح اور بادشاہ آئے جو قوموں کے جان و مال پر قابض ہوئے۔

......ایک ملک کو اجاڑا، دوسرے کو بسایا

......ایک کو گھٹایا، دوسرے کو بڑھایا

......ایک سے چھینا، دوسرے کو دیا۔

ان کی تلواروں نے بڑے بڑے مجرموں کو روپوش ہونے پر مجبور تو کر دیا، مگر وہ تنہائیوں کے روپوش مجرموں کو جرائم سے نہ روک سکے۔ انہوں نے گلی کوچوں میں تو امن قائم کر کے دکھا دیا مگر من کی دنیا میں امن قائم نہ کر سکے، بلکہ ہر قسم کی روحانی بربادی انہی کے درباروں سے پھیلی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے وضع کردہ قوانین کی عمر لمبی نہ رہی، بلکہ ان کے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں نے ان کے قوانین کو بدل ڈالا۔

انبیائے کرام علیہم السلام......انسانیت کے نجات دہندہ:

اگر دنیا میں خیر اور بھلائی پھیلی تو صرف ان ہستیوں سے پھیلی جن کو انبیائے کرام علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ قومیں جب بھی مشکلات میں پھنسیں تو انبیائے کرام علیہم السلام نے ہی آ کر انہیں ان مشکلات سے نکالا۔ اس سلسلے میں دو مثالیں سامنے رکھیے:

(۱)......بنی اسرائیل کی مثال:

بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلائی، حتیٰ کہ ان کو حکومت بھی مل گئی، لیکن بنی اسرئیل نے اللہ کے حکموں کی ناقدری کی اور بدعملی کی زندگی اختیار کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بخت نصر نے ان کے ملک پر حملہ کیا اور ان کو پھر ذلیل وخوار کر کے نکال دیا۔ اب حضرت دانیال علیہ السلام ان کے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور انہوں نے پھر ان کو اس کے ظلم وستم سے نجات عطا فرمائی۔

(۲)....اہلِ عرب کی مثال:

دوسری مثال اہلِ عرب کی ہے۔ نبی علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مکہ مکرمہ کے مشرکین جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔قتل وغارت،ظلم وستم، جنگ وجدل اور لوٹ ماران کا شیوہ تھا۔ بے حسی کی انتہا دیکھیے کہ دوستوں کی محفل میں گوشت کھلانے کے لیے زندہ جانور سے گوشت کاٹ کر پکالیا کرتے تھے۔ان کواس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ زندہ جانور کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔معمولی بات پر جولڑائی شروع ہوتی تھی تو وہ سینکڑوں انسانوں کے مرنے کا سبب بن جاتی تھی۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' والا قانون تھا۔قیصر وکسریٰ ان پر حکومت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔باپ کے مرنے کے بعد ماں کو بھی میراث کے مال کی طرح تقسیم کردینا ان کی عادت تھی۔ بیوہ کوذلت ورسوائی کا طوق ڈالنا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ان کے لیے عام سی بات تھی۔ چنانچہ مشہور رائٹر گبن لکھتا ہے:

At that time , Arabia was the most degraded nation of the world.

''اس وقت عرب لوگ دنیا کی پسماندہ ترین قوم تھے۔''

یہ اَن پڑھ قسم کے لوگ تھے، Wild Life (جنگلی زندگی) گزارنے والے لوگ تھے، جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دین سکھایا اوران جانورنما انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنایا۔

ایک حیرت انگیز انقلاب:

ایک نکتہ دلچسپ اور قابل توجہ ہے کہ یہ لوگ اتنے جاہل تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

مبارک زندگی میں ان میں سے کوئی آدمی بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہیں گیا۔ سب کے سب صحابہ پوری زندگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی رہے ہیں۔ آج تو باہر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے لوگ چلے جاتے ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی علم حاصل کرنے کے لیے باہر نہیں گیا۔ صرف ایک مثال ملتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطوط لکھنے تھے تو وہ عبرانی اور سریانی زبان میں لکھے گئے۔ تو اس وقت یہود سے Help (مدد) لی جاتی تھی، لیکن خدشہ یہ تھا کہ معلوم نہیں وہ آگے کیا لکھ دیں۔ چنانچہ ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں زبان سیکھ کر آتا ہوں۔ وہ ایک مہینہ کے لیے گئے اور زبان سیکھ کر آ گئے۔ اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی صحابی نے کہیں باہر سے جا کر تعلیم حاصل کی ہو۔

ان لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم کے ہیرے اور موتی عطا کیے، وحی کی بارش ہوئی، اور پھر ایسی بہار کا موسم کھلا کہ پوری دنیا نے اس کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پا کر صحابہ رضی اللہ عنہم اخلاق کے اعلیٰ درجوں تک پہنچ گئے۔

...... جو جاہل تھے وہ عالم بنے۔

...... جو ظالم تھے وہ عادل بنے۔

...... جو غاصب تھے وہ امین بنے۔

...... جو عزتوں کے لٹیرے تھے وہ عزتوں کے محافظ بنے۔

...... جو ننگِ انسانیت تھے وہ فخرِ انسانیت بن گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایسے مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی کہ وہ پورا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن گیا۔ ان کے اندر اللہ رب العزت نے اخوت، الفت، ہمدردی، ایثار،

تواضع، سینہ بے کینہ اور پرسوز دل جیسی نعمتیں عطا فرما دیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ہر بندہ ''خلیفۃ اللہ فی الارض'' بننے کی اہلیت پا گیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقلابی پالیسی......محبت اور نرمی:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روحانی اور اخلاقی تبدیلی کے لیے سختی کا راستہ نہیں اپنایا۔ محبت و الفت کا راستہ اپنایا۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ رحمتیں نازل فرماتا ہے جو سختی کے اوپر نازل نہیں فرماتا۔

(مسند احمد، حدیث: ۱۶۸۰۲)

محبت کا راستہ سب سے زیادہ قوت والا راستہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:

Love is the greatest power in the world

''دنیا کی سب سے بڑی طاقت محبت ہے۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے دلوں میں اللہ کی محبت بھی پیدا کی اور اللہ کے بندوں کی محبت بھی پیدا کی۔ یہ محبت ہی تھی جس نے ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا اور ان کو صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔ عقل حیران ہے کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں ان کو ایسا شیر و شکر بنا دیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ رب کریم نے جو دلوں کے بھید جاننے والے ہیں ان کے بارے میں قرآن میں گواہی دی کہ

﴿رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ﴾ (الفتح: ۲۹)

''وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت رحیم و کریم تھے۔''

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حمیدہ کا ایک جائزہ:

آیئے! ان صفاتِ حمیدہ کا جائزہ لیں کہ جن کی وجہ سے وہ ان اخلاقی بلندیوں تک

پہنچے۔ان میں سے کچھ صفات انفرادی تھیں اور کچھ اجتماعی۔اب ہم ذرا ان کی ان Qualities (خوبیوں) کی Scaning (مشاہدہ) کریں گے۔

انفرادی صفات

(۱)....طلبِ علم:

سب سے پہلے طلبِ علم کی صفت ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ہر بندے کو علم کا طالب بنا دیا تھا۔فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ))(ابن ماجۃ، حدیث: ۲۲۴)

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر لازم ہے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

((اِنَّمَا الْعِلْمُ نُوْرٌ))(مسند موطا: ۱/ ۳) ''علم روشنی ہے۔''

علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ آج جو قوم علم میں آگے بڑھ جاتی ہے وہ پوری دنیا میں غالب آجاتی ہے۔

(۲)....بامقصد زندگی:

نبی علیہ السلام نے ان کو بامقصد زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔اس کو کہتے ہیں Goal Oriented Life (بامقصد زندگی) یعنی زندگی کا ایک مقصد ہو جسے انسان حاصل کرے۔فرمایا:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا﴾(المومنون: ۱۱۰)

''کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا؟''

(۳)....صدق وصفا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر صداقت کے بیج بوئے۔ فرمایا کہ جس شخص کو تین چیزیں مل گئیں گویا کہ اس کو وہ کچھ مل گیا جو داؤد علیہ السلام کو ملا تھا۔ ان میں سے ایک چیز فرمائی:

((خَشْیَةُ اللهِ فِی السِّرِّ وَ الْعَلَانِیَةِ)) (کنز العمال، حدیث:۴۳۲۷۳)

''خلوتوں میں بھی اور جلوتوں میں بھی اللہ کا ڈر ہو۔''

(۴)....نیکوکاری:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو نیکوکاری سکھائی اور بتلا دیا:

﴿وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (البقرة:۱۹۵)

''نیکی کرو، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔''

(۵)....تواضع:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر سے غرور اور تکبر کو ختم کیا اور ان کے اندر تواضع پیدا کی۔ فرمایا:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (کنز العمال، حدیث:۸۵۰۸)

''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اسے اللہ بلندیاں عطا فرماتا ہے۔''

(۶)....تحمل مزاجی:

پھر نبی علیہ السلام نے ان کے اندر تحمل مزاجی (Fore bearance) پیدا کی۔ گویا یہ

سمجھا دیا کہ انسان معمولی باتوں پر Instantanious react نہ کرے، بھڑک نہ اٹھے، بلکہ باہمت بنے، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچے اور پھر مناسب قدم اٹھائے۔

یہ تحمل مزاجی بہت بڑی نعمت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں دس سال رہے اور خدمت کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دس سالوں میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی ڈانٹا اور نہ کبھی نبی علیہ السلام نے برا بھلا کہا۔ (مسند احمد، حدیث: ۱۳۰۳۴)

حیرت کی بات ہے کہ ایک بچے کی تربیت ہوئی اور زندگی میں کبھی ڈانٹ کا موقع ہی نہیں آیا۔ آج ہمیں دیواروں پر لکھ کر لگانا پڑتا ہے: ''مار نہیں پیار''۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے Practically (عملاً) کر کے دکھا دیا کہ بچوں کی تربیت ایسے بھی ہوتی ہے۔ پیار کے ذریعے، محبت کی وجہ سے تم جو چاہو گے تمہارے بچے ویسے ہی بنتے چلے جائیں گے۔

(۷)....مٹھاس:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار رکھنے کی عادت ڈالی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا: میں تمہارے اندر ایمان تو دیکھتا ہوں مگر ایمان کی حلاوت نہیں دیکھتا۔ پوچھا: اے اللہ کے حبیب! وہ ایمان کی حلاوت کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: ایک دوسرے کے ساتھ الفت، محبت اور پیار کے ساتھ پیش آنا۔ گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلا دیا کہ مومن رف اور ٹف نہیں ہوتا، بلکہ فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ حُلْوٌ)) (کنز العمال، حدیث: ۱۶۱۲)

''مومن کے اندر مٹھاس ہوتی ہے۔''

وہ بات کرتا ہے تو بات کے اندر شیرینی ہوتی ہے۔ وہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ دوسروں کے لیے سکونِ قلب کا سبب بنتا ہے۔ تو مومن ایک Sophisticated طبیعت رکھنے والا

انسان ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کے لیے باعثِ رحمت بن جاتا ہے۔فرمایا:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ))

(ترمذی، حدیث:۱۸۴۷)

''تم زمین والوں پر رحم کرو گے تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

(۸)..... اخلاص:

پھر اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اخلاص کی تعلیم دی کہ ہم دنیا میں جو بھی کام کریں کسی دنیاوی منفعت یا ذاتی غرض کی وجہ سے نہیں، بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ یہ اسلام کی ایک ایسی بنیادی تعلیم ہے جس نے ایک مومن کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کی اسی تعلیم کی برکت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اخلاص کے ایسے پیکر بنے کہ ان کی زندگیاں آنے والی انسانیت کے لیے روشن نمونہ بن گئیں۔

اجتماعی صفات

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اندر ایسی اجتماعی صفات بھی پیدا کیں، جن سے ان کا معاشرہ ایک پرسکون اور مثالی معاشرہ بن گیا۔

(1)....مساوات:

مثال کے طور پر: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا:

''نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے۔''

(مسند احمد، حدیث:۲۳۴۸۹)

آج اس Scientific Word (سائنسی دنیا) میں، دنیا مساوات کی اس تعلیم کو بڑا

عظیم اصول سمجھتی ہے۔ جبکہ نبی علیہ السلام نے چودہ سوسال پہلے اس اصول کو بتادیا تھا۔

(2)....انصاف:

پھر نبی علیہ السلام نے معاشرے کی بنیاد انصاف پر رکھی۔ بتادیا:

﴿وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (الحجرات:۹)

''انصاف کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔''

یہ اصول بتادیا:

''کفر سے حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم سے حکومت کبھی نہیں چل سکتی۔''

اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں پرسکون زندگی گزارو تو انصاف کرنا پڑے گا۔ انصاف ایسا کہ جو نظر بھی آئے کہ انصاف ہو رہا ہے۔

(3)....عفو و درگزر:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر کی تعلیم دی۔ ایک خوبصورت بات کہی، فرمایا:

((صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ))

(شعب الایمان، حدیث:۷۵۸۵)

''جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کردے۔''

اور فرمایا:

((وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ)) (جامع الاحادیث، حدیث:۱۳۵۷۸)

''اور جو تجھ سے برا کرے تو اس سے اچھا سلوک کر۔''

یہ نبی علیہ السلام کا حکم ہے۔ گویا مومن کی تعریف بیان کی کہ وہ کیسا ہوا کرتا ہے۔

(4)....ایثار:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایثار کی تعلیم دی کہ دوسروں کو اپنے پر فوقیت دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ دوسرے بھائی کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جنگِ یرموک میں ایک سپاہی بڑا زخمی ہو چکا تھا۔ ڈی ہائیڈریشن ہو چکی۔ بلیڈنگ کی وجہ سے کمزوری ہو چکی۔ اور سخت گرمی کا موسم ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: ''پانی''۔ ایک صاحب ان کو پانی پلانے کے لیے مشک لے کر آئے، مگر جب پانی پلانے لگے تو کسی اور زخمی نے پانی مانگا۔ انہوں نے منہ کو بند کر لیا اور اشارہ کیا کہ دوسرے کو پہلے پانی پلاؤ۔ وہ پانی لے کر دوسرے کی طرف گئے۔ اس وقت تیسرے کی طرف سے آواز آئی کہ پانی چاہیے۔ دوسرے نے بھی منہ بند کر لیا اور کہا کہ اُدھر جاؤ۔ جب یہ تیسرے کے پاس پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے۔ یہ لوٹ کر دوسرے کی طرف آئے تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور جب پہلے کی طرف آئے تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ آخری لمحے میں بھی وہ اپنے بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے بن گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۵)

(5)....اخوت:

پھر نبی علیہ السلام نے ان کے اندر اخوت کو پیدا کیا۔ فرمایا: تم تجسس نہ کرو۔ کسی کے عیبوں کو ڈھونڈنے میں نہ لگو۔

((وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا))

''ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو، ایک دوسرے کی جاسوسی مت کرو، آپس میں بغض نہ رکھو اور نہ ہی آپس میں اختلاف رکھو۔''

اور آخر میں فرمایا:

((وَ كُونُوا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا)) (بخاری، حدیث: ۶۷۲۴)

''اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔''

جب مہاجرین مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی علیہ السلام نے ان کی مواخات کروائی۔ تاریخ انسانیت میں انسانی بھائی چارے کی ایسی مثال اور کوئی پیش نہیں کرسکتا کہ کس طرح انہوں نے بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاری۔

(6)....ستر پوشی:

نبی علیہ السلام نے ان کو ستر پوشی کی تعلیم دی کہ تم اگر اپنے کسی بھائی کا عیب دیکھو تو اس کی ستر پوشی کرو اور اصلاح کی کوشش بھی کرتے رہو۔ فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (بخاری، حدیث: ۲۴۴۲)

''جو اپنے مومن بھائی کے (عیبوں) کی ستر پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس (کے عیبوں) کی ستر پوشی کرے گا۔''

(7)....برائی کا خاتمہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا کہ دیکھو! برائی ناپسندیدہ چیز ہوتی ہے، اس کو ابتدا سے ختم کریں۔ اس کو کہتے ہیں:

Nip the evil in the bud

''برائی کو ابتدا سے ختم کرو۔''

یہ بھی فرمایا کہ اگر تم برائی کو دیکھو تو اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے اسے روکو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو

تو زبان سے اظہارِ خیال کر دو اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کم از کم دل میں ہی اسے برا سمجھو۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۳۴۲)

(8).... ازدواجی زندگی:

پھر ازدواجی زندگی بہت محبت و پیار سے گزارنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ ایک فیملی یونٹ پہلی معاشرتی اکائی ہوتا ہے۔ لہٰذا خوشگوار ازدواجی زندگی، خوشگوار معاشرے کی بنیاد بنتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے اچھی ازدواجی زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ فرمایا:

((خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَھْلِہٖ)) (ترمذی، حدیث: ۳۸۳۰)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے سب سے بہتر ہے۔''

(9)....نفع رسانی:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بات فرمائی:

((خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ)) (کنز العمال، حدیث: ۴۴۱۵۴)

''انسانوں میں سے سب سے زیادہ بہتر انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے فائدہ پہنچانے کا سبب ہو۔''

ذرا غور کیجیے! آج اس کسوٹی پر ہم اپنے آپ کو تولیں تو ہم کہاں ہوں گے؟

(10)....خدمتِ خلق:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((وَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ))

(شعب الایمان، حدیث: ۱۶۹۵)

''اللہ بندے کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کے کاموں میں اس کی مدد کر رہا ہوتا ہے۔''

کیا خوبصورت Concept (تصور) دیا ہے کہ اگر ہم اپنے بھائی کے کام آئیں گے، اس کی تکلیف کے دور کرنے میں، اس کی مصیبت کے دور کرنے میں، اس کی پریشانی بانٹنے میں لگیں گے تو اتنی دیر اللہ ہماری مدد کرے گا۔

(11)....محاسبہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (صحیح بخاری، حدیث:۵۲۰۰)

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

لہٰذا انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا)) (جامع الاحادیث للسیوطی:۲۶/۴۳۳)

''اپنے آپ کا محاسبہ کرلو قبل اس سے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔''

لہٰذا انسان اگر اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے کہ مجھ سے حقوق کی ادائیگی میں کہاں کہاں کوتاہیاں ہو رہی ہیں تو وہ بہت سی خرابیوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ اور اللہ اور مخلوق کی نظروں میں مقبول بن جاتا ہے۔

(12).... اخلاقِ حمیدہ:

نبی علیہ السلام نے ان کو اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم دی۔ فرمایا:

((تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ)) (مفاتیح الغیب، سورۃ النور)

انسانیت کی عظمت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ رب العزت کے اخلاق پیدا کرے۔ اور واقعی نبی علیہ السلام نے ایسی محنت فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ ساری صفات پیدا ہو گئی تھیں۔

تعمیرِ انسانیت......فکری تبدیلی کا ایک واقعہ:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے لوگوں کی اخلاقی قدروں میں کس طرح تبدیلی پیدا فرمائی؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک واقعہ سن لیجیے!

نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ ایک صحابی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، کہنے لگے:

میں اسلام لانے سے پہلے جاہلیت کی زندگی گزار رہا تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا اور اتنا سنگدل انسان تھا کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتا تھا۔ میری ایک بیٹی پیدا ہوئی، جب وہ تھوڑی سی بڑی ہوئی تو میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگ گئی۔ میں بھی اس کی باتیں سنتا، مجھے اچھی لگتیں۔ میں اس کو بلاتا تو وہ میرے پاس آتی، باتیں کر کے مجھے خوش کر دیتی۔ ایک دن میں نے اسے بلایا تو وہ میرے پیچھے پیچھے چل پڑی، یہاں تک کہ میں گھر کے قریب ایک کنویں کے پاس پہنچ گیا، میں نے اس کو کنویں میں پھینک دیا، معصوم بچی رونے لگ گئی، چیختی رہی، چیختی رہی اور یہ الفاظ کہتی رہی: ''ابو جی! ابو جی!'' اے اللہ کے حبیب! میں نے اس کی آواز کی طرف بالکل توجہ نہ کی، حتی کہ اس کی آواز آنی بند ہو گئی۔ میں نے اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے کنویں میں زندہ ڈالا۔ یہ باتیں سن کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ مجلس میں سے ایک آدمی نے کہا: آپ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

غمگین کر دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ واقعہ دوبارہ سناؤ۔ اس نے پھر دہرایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت میں کیے گئے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے، جاؤ اب نئے سرے سے اعمال کرو۔ (تفسیر القاسمی، سورۃ التکویر، مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۱۸)

یہ تعمیرِ انسانیت ہے کہ وہ لوگ جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اب ان کو دوسروں کے بچوں کے ساتھ بھی ایسی محبت اور ایسی الفت ہو گئی۔

سرزمینِ عرب ...... ہیروز کی نرسری:

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت آپ کے شاگردوں سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی پاکیزہ اور مقدس جماعت چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھی۔ غیروں کو بھی یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ چنانچہ ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:

After the the death of MUHAMMAD Arabia became the nursery of heroes

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی۔''

جیسے پھولوں کی نرسری ہوتی ہے اور اس میں لاکھوں پھول ہوتے ہیں، ایسے ہی عرب کی زمین ہیروز کی نرسری بن گئی۔ کہ جو شخصیت اٹھی وہ وقت کی ایک قائد شخصیت بن گئی۔ اب اگر غیر بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں تو واقعی یہ بات کتنی عظیم ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایسی قائدانہ صلاحیتیں عطا فرما دیں۔

اسلامی لیڈر شپ کی کیس سٹڈی:

ہم لوگ آج کی Most modern World (جدید دنیا) میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آج یونیورسٹیوں کے اندر Management (نظم و نسق) کا مضمون پڑھایا جاتا ہے جس میں لیڈر شپ کے بارے میں تفاصیل پڑھائی جاتی ہیں۔ ذرا دیکھیے کہ چودہ سو سال پہلے محبوبِ رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے صحابہ کے اندر کیسی قائدانہ صلاحیتوں کو پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک Case Study ہے۔ جیسے یونیورسٹیوں میں کچھ سمجھانے کے لیے اس کی عملی مثالیں دکھاتے ہیں جسے Case Study کہتے ہیں۔ بھئی! اللہ نے جو ٹریلین آف برین سیلز دیے ہیں ان کو استعمال کر کے ذرا خود دیکھو کہ تعلیمات نبوی سے اصحاب رسول ﷺ کی زندگی میں کیسا انقلاب آ گیا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ساتھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آیئے! آج کی لیڈر شپ کی Qualities (خوبیوں) کو سامنے رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اس معیار پر کس قدر پوری اترتی ہے۔

دو پیغمبروں کی دو دعائیں:

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ کتابوں میں دو ایسے پیغمبروں کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے اپنی دعا میں کسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا۔

......ایک پیغمبر موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ہارون علیہ السلام کے لیے دعا مانگی:

﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ﴾ (طٰہٰ:۲۹)

تو اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا۔

......اور ایک پیغمبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ)) (ابن ماجۃ، حدیث:۱۰۵)

''اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو سربلندی عطا فرما، عزت عطا فرما۔''

اللہ نے یہ دعا قبول فرمالی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خلیفۂ راشد بنے۔ نبی اس لیے نہ بنے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ)) (ترمذی، حدیث:۱۹۳۶)

''اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو عمر (کو اللہ نے وہ اہلیت دی تھی کہ یہ) نبی ہوتے۔''

قبل از اسلام طبیعت کی سخت گیری:

اسلام لانے سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی Personality (شخصیت) ایسی تھی کہ بہت سخت گیر طبیعت تھی۔ اس کو کہتے ہیں Personality Trait (شخصی صفت)۔ جابر قسم کی شخصیت تھی۔ اس لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ)) (جامع الاصول:۸/۶۰۵)

''تم تو جاہلیت میں اتنے سخت تھے۔''

ان کی طبیعت میں سختی اور جسم میں قوت بہت تھی۔ چنانچہ اگر ان کے قبیلے کا کوئی بندہ مسلمان ہوتا تھا تو یہ اس کو بہت زیادہ سزا دیتے تھے۔ لوگ ان سے ڈرا کرتے تھے۔

قبولِ اسلام:

سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ قریشِ مکہ نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ ہم میں سے کوئی ہے جو مسلمانوں کے پیغمبر کا قصہ ہی سمیٹ دے؟ کسی کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ہاں! یہ Assignment (کام) میں پوری کر دیتا ہوں۔ لوگوں کو یقین تھا کہ یہ اتنا بہادر لیڈر اور بے باک انسان ہے کہ یہ ایسا کر گزرے گا۔

چنانچہ گرمی کا دن ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور لے کر چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ نبی علیہ السلام کو جہاں پائیں گے وہیں شہید کر دیں گے۔ راستے میں ایک صحابی نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا: عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہا: مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کا قصہ سمیٹنے کے لیے۔ انہوں نے کہا: پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، آپ کے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو گئے۔ بس یہ سننے کی دیر تھی کہ وہیں سے رخ بدلا اور بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز سنی جیسے گھر میں میاں بیوی کچھ نہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کھولا گیا۔ پوچھا: کیا پڑھ رہے تھے؟ پتا تو چل گیا کہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ کہنے لگے: کیا تم لوگ مسلمان ہو گئے ہو؟ تو بہنوئی نے کہہ دیا: اگر اسلام سچ ہے تو سچ کو قبول کرنے میں کیا حرج ہے؟ بس یہ سنا تو وہیں بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ نیچے گرا دیا اور ان کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ بہن چھڑوانے کے لیے آئی تو بہن کو بھی تھپڑ لگا دیا، حتی کہ اس کے منہ سے خون آ گیا۔ بہن نے ان کا راستہ روکا۔ انہوں نے کہا: ہٹ جاؤ، میں تمہیں مار دوں گا۔ تو بہن نے جواب دیا: ”عمر! جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے، اسی ماں کا دودھ

میں نے بھی پیا ہے۔تم ہمارے جسموں سے جان تو نکال سکتے ہو مگر ہمارے دلوں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔'' بہن کے تڑپا دینے والے الفاظ عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر بجلی بن کر گرتے ہیں۔ کہتے ہیں: اچھا! بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا: تم ناپاک ہو، پہلے تمہیں غسل یا وضو کر کے پاک ہونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ پاک ہو گئے اور قرآن سنا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ دارِ ارقم میں آ کر کلمہ پڑھا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں شامل ہو گئے۔ (الروض الانف: ۲/ ۱۱۹)

تعلیماتِ نبوی کا اثر:

یہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی طبیعت اتنی سخت گیر تھی، جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں میں پہنچے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ آپ معمارِ انسانیت تھے۔ آپ نے ان کی شخصیت کو اس طرح بنایا کہ آج دنیا عمر رضی اللہ عنہ کی بلندیوں کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔

لیڈر شپ کے گیارہ اصول

1983ء میں لیڈر شپ کوالٹی کے بارے میں کچھ Rules (اصول) لکھے گئے جو Management (نظم ونسق) کی کتابوں میں آج ملتے ہیں۔ یہ باقاعدہ ایک Document (دستاویز) ہے۔ US. Army یو ایس آرمی نے اسے Compile (مرتب) کیا اور اسے کہتے ہیں:

"Eleven Rules of Leadership" (قیادت کے گیارہ اصول)

ہم ان کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کیسی تھی؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو کیسے صحیح انسان بنایا؟

پہلا اصول:

ان میں سے پہلا پوائنٹ ہے:

(1) Know yourself and seek self-improvement

''اپنی اہلیت کو سمجھیں اور اس میں بہتری لانے کی کوشش کرتے رہیں۔''

یعنی اپنے آپ کو سمجھو اور اپنے اندر اچھائی پیدا کرنے اور بڑھانے کی کوشش میں لگے رہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک شخصیت ایسی تھی کہ وہ اپنا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اپنی Weakness (کمزوری) کو بھی جانتے تھے اور اپنی Strength (طاقت) کو بھی جانتے تھے۔ ان کو پتہ تھا کہ مجھے اپنے آپ کو کیسے آگے بڑھانا ہے؟ اس لیے ہر نیک کام میں وہ سب سے آگے نظر آیا کرتے تھے۔ اور نیکی کرنے میں دوسروں کے لیے ایک مثال بن جایا کرتے تھے۔

دوسرا اصول:

(2) Make sound and timely decision

''بر موقع فیصلہ کریں۔''

لیڈر شپ Qualities (خوبیوں) میں یہ دوسری کوالٹی ہے کہ انسان بر موقع، بر محل اور بر وقت فیصلہ (Decision) کرے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فہم وفراست عطا فرمائی تھی کہ بہت مناسب وقت پر Decision لیتے تھے۔ ان کی رائے وحی اور اللہ کی کتاب کے بالکل موافق ہوا کرتی تھی۔

انہوں نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت قرآن مجید جن پارچات پر لکھا ہوا ہے وہ مختلف لوگوں کے پاس موجود ہیں، آپ ان کو ایک جگہ اکٹھا کر لیجیے! چنانچہ انہوں نے (Timely) بروقت مشورہ دیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سب پارچات کو اکٹھا کیا اور قرآن مجید ایک جگہ جمع ہو گیا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔

پھر نبی علیہ السلام کے اس صحابی نے کتنے ایسے Decision (فیصلے) کروائے جو بر موقع تھے۔ Initiatives (بنیادی اقدام) لیے۔ مثلاً: پہلے آپ مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے اور ان کے واپس آنے کا کوئی اصول طے نہیں تھا۔ ایک رات گشت کرتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ ایک خاتون اپنے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ رہ سکتی ہے؟ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار مہینے۔ چنانچہ انہوں نے اصول بنا دیا کہ ہر مجاہد کو چار مہینے کے بعد واپس آ کر اپنے گھر میں رہنا لازمی ہو گا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۵۱، جامع الاحادیث للسیوطی: ۲۵/ ۳۲۳)

تو وقت پر فیصلہ کرنا، Decision کا لینا، Initiatives کا لے لینا، یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی میں ایک خاص بات نظر آتی ہے۔

تیسرا اصول:

(3) Set the Examples

''مثالیں قائم کریں۔''

یعنی جو لیڈر ہوتا ہے اس کو اپنے آپ کو ایک مثال بنا کر پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ گاندھی کا قول ہے:

We must become the change we want to see

''ہم جو تبدیلی چاہتے ہیں اسے (عملاً) دیکھنا بھی چاہتے ہیں۔''

لوگ ناقد کو پسند نہیں کرتے، نمونے کو پسند کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے رول ماڈل بن جائے۔ چنانچہ لیڈرشپ کوالٹی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے رول ماڈل بن کر رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دوسروں کے لیے ایک رول ماڈل بن کر زندگی گزارتے تھے۔ مثالیں دیکھیے:

◇ ......آپ کے زمانۂ خلافت کی بات ہے۔ ایک طرف سے خوشبو آئی جو لوگوں میں تقسیم کرنی تھی۔ بیوی نے پوچھا: یہ خوشبو میں تقسیم کر دوں؟ فرمایا: نہیں۔ بیوی نے پوچھا کہ کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں کہ میں اس کو ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی؟ فرمایا: مجھے یہ تو پکا اعتماد ہے کہ آپ اسے ٹھیک تقسیم کریں گی مگر میرے دل میں یہ بات ہے کہ جب آپ خوشبو کو تقسیم کر رہی ہوں گی تو تقسیم کرنے کے دوران کچھ خوشبو تو آپ کے ہاتھوں کو بھی لگے گی، یہ جو تھوڑی سی خوشبو کا استعمال ہوگا میں اپنے گھر والوں کے لیے اس کو بھی جائز نہیں سمجھتا۔ (الزہد لاحمد بن حنبل: ص ۱۴۸)

◇ ......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو بیٹھے کچھ امورِ خلافت کا کام کر رہے تھے۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون؟ جواب آیا: آپ کا بھائی علی المرتضی آیا ہے۔ فرمایا: تشریف لایئے! چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، استقبال کیا، بٹھایا اور بٹھا کر ایک سوال پوچھا: بھائی علی! کوئی ذاتی بات کرنی ہے یا انتظامی امور کے متعلقہ بات کرنی ہے؟ فرمایا: میں تو ایک ذاتی بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چیزوں کو سمیٹا اور پھونک مار کر چراغ کو بجھا دیا اور کہا کہ اچھا اب ہم بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حیران ہوئے۔ فرمایا: عمر!

مہمان کے آنے پر چراغ کو جلایا کرتے ہیں، بجھایا تو نہیں کرتے ؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: علی ! آپ نے ٹھیک کہا، لیکن بات یہ ہے کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔

تو ایک مثال قائم کر کے دکھادی کہ لیڈر شپ کی صفات کیسی ہوتی ہیں۔

(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۰۴)

◇ ...... صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس ہے، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہیں۔ سب نے مل کر مشورہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کے امیر المومنین ہیں مگر ان کی اکنامک کنڈیشن بہت کمزور ہے۔ لباس بھی پورا صحیح نہیں ہوتا، کھانے پینے میں بھی وسعت نہیں، تو ان کا جو مشاہرہ ہے اس میں اضافہ کرنا چاہیے...... آج ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم انکریمنٹ کے آنے کے وقت اللہ سے دو رکعت نفل پڑھ کر دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں کہ ڈبل ٹرپل انکریمنٹ آجائے...... ذرا ان کا حال دیکھیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ مشورہ کر رہے ہیں، سب کا متفقہ خیال ہے کہ تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو کون کہے؟ کہنے لگے کہ یہ تو Difficult Task (مشکل کام) ہے۔ کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ نبی علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جو عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی ہیں، ان کو واسطہ بناتے ہیں۔ چونکہ ام المؤمنین بھی ہیں اور بیٹی بھی ہیں، اس لیے ان کی بات سنی جائے گی۔

چنانچہ انہوں نے ایک دو بندے بھیجے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو سفارش کر دیں کہ ہم سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی تنخواہ جو وہ بیت المال سے لیتے ہیں اس میں تھوڑا سا اضافہ کر دیں، تاکہ ان کو آسانی ہو جائے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے پہلا سوال یہ پوچھا کہ یہ بات کس

نے کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نام نہیں بتاؤں گی۔فرمایا: حفصہ !اگر تو مجھے بتا دیتی تو میں ان لوگوں کو سیدھا کر دیتا۔ وہ مجھ مشورے دیتے ہیں کہ تم تنخواہ بڑھا لو، لیکن تم بتاؤ کہ تمہارے گھر میں نبی علیہ السلام کا لباس کیسا تھا؟ انہوں نے کہا کہ گیرو رنگ کے کپڑے تھے، قافلے آتے تھے تو اس دن پہن لیا کرتے تھے، باقی نارمل ہی لباس ہوتا تھا۔ کھانے میں بس خشک روٹی ہوتی تھی، میں اس کو کبھی کبھی گھی سے چپڑ دیا کرتی تھی، نبی علیہ السلام خود بھی خوش ہو کر کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، سادہ سی زندگی تھی۔فرمایا: حفصہ !اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک روشن مثال قائم کر دی، عمر اس راستے پر چلے گا تو اسی منزل پر پہنچے گا، راستہ بدل جائے گا تو منزل بھی بدل جائے گی۔ پھر فرمایا: حفصہ! میں کیسے تنخواہ زیادہ لے لوں، کیا معاشرے کا ہر بندہ اتنا کچھ کھا لیتا ہے جو میں کھا لیتا ہوں؟ جب تک ہر بندے کی انکم اتنی نہیں بن جاتی، عمر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بیت المال سے اپنی تنخواہ کو زیادہ کرے۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۳/ ۱۲۲)

چوتھا اصول:

(4) Know your people and look out for their well being

''عوام کی ضروریات کو جانو اور ان کی بہتری کے لیے کوشش کرتے رہو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عوام کے حالات کو معلوم کرنے کے لیے راتوں کو جاگا کرتے تھے۔ کیا عجیب وقت تھا کہ عوام الناس میٹھی نیند سوتے تھے اور ان کے نگران و نگہبان راتوں کو اٹھ کر گلیوں میں سے گزر کر اپنے عوام کے حالات معلوم کیا کرتے تھے کہ کون کس حال میں ہے۔ اور اگر کسی کو ضرورت مند پاتے تھے تو اس کی ضرورت کو پورا کر

دیا کرتے تھے، حتی کہ بیت المال سے روزینہ متعین کیا جاتا تھا۔

پانچواں اصول:

(5) Keep your workers informed.

''ماتحتوں کو اپنی پالیسی سے باخبر رکھنا۔''

جو آپ کے ماتحت ہیں، جو آپ کے کارکن ہیں، ان کو آپ اپنی پالیسی سے باخبر رکھیں۔ کئی دفعہ لوگ دوسروں کو انفارمیشن فراہم ہی نہیں کرتے۔ یہ کوئی اچھی لیڈرشپ نہیں ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ جن لوگوں کو گورنر بنایا کرتے تھے، ان کو خطوط لکھا کرتے تھے اور ان کو کیا کرنا چاہیے، کیا نہیں کرنا چاہیے، خطوط کے ذریعے بتاتے رہتے تھے۔ اس کو کہتے ہیں: What to do, what not to do

یہ دونوں باتیں بتانا ضروری ہوتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو تفصیلاً بتاتے تھے کہ انہوں نے اپنے چارٹر آف ڈیوٹی کو کیسے پورا کرنا ہے؟ اس لیے کہتے ہیں:

Power and authority are for helping others grow.

چنانچہ معاشرے کے ہر ہر فرد کو پتہ تھا کہ اس نے کیسے زندگی گزارنی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ طیبہ کی گلیوں سے گزر کر جا رہے تھے کہ صبح کا وقت ہو گیا۔ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے آواز آ رہی تھی۔ ایک بڑی عمر کی عورت کہہ رہی تھی: بیٹی! کیا بھینس نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: جی دے دیا۔ پوچھا: کتنا دیا؟ اس نے کہا: تھوڑا دیا۔ کہنے لگی: چلو پھر کچھ پانی ملا کر مقدار پوری کر دو۔ بیٹی نے کہا: میں تو نہیں ملاؤں گی۔ وہ کہنے لگی: کیوں؟ اس نے جواب دیا: اس

لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے کہ کوئی دودھ میں پانی مت ملائے۔ اس نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کونسا دیکھ رہے ہیں؟ تو وہ بچی جواب دیتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے تو عمر کے خدا تو دیکھ رہے ہیں۔ (کنز العمال: ۱۴/ ۲۵)

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کے ایک کامن پرسن (عام آدمی) کو بھی پتہ تھا کہ میرے کیا فرائض (Duties) ہیں اور مجھے کس طرح زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چھٹا اصول:

(6) Develop sense of responsibility in workers

''کارکنوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنا۔''

جو کام کرنے والے لوگ ہیں ان میں ایک احساسِ ذمہ داری ہو۔ آج احساسِ ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے ہم تنزلی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہم میں سے بہت کم لوگوں کو ہوگا۔ بہت ہی بے حس ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی چیز قوموں کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ آج آپ کسی نوجوان سے پوچھیں: کیسی نوکری ملی؟ کہے گا: بڑی اچھی نوکری ملی ہوئی ہے۔ وہ کیسے؟ جی اتنی Basic Pay (بنیادی تنخواہ) ہے، اتنا ہاؤس رینٹ ہے، اتنا میڈیکل الاؤنس ہے، اتنا کنوینس الاؤنس ہے، اتنے بونس ہیں، اتنی گریجویٹی ہے، اور اتنی میڈیکل لیو ہیں اور کام کوئی نہیں...... یعنی ہمارے نزدیک آج ایک اچھی جاب کی علامت یہ بن گئی کہ کام کوئی نہیں۔ اتنی حیرت ہوتی ہے! وہ قوم کیسے سنورے گی کہ جس کے نوجوان اس نوکری کو اچھا سمجھیں جہاں کام ہی کوئی نہ ہو!؟ یہ تو افسوس کی بات ہے۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں کو کام دیا کرتے تھے اور

ان کا احساس بھی کیا کرتے تھا، احساسِ ذمہ داری تھا۔ ان کے اپنے احساسِ ذمہ داری کا ایک واقعہ سن لیجیے!

ایک دفعہ رات کا وقت ہے، اپنے غلام اسلم رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: اسلم! ہم نے اس شہر میں تو متعدد بار گشت کیا، آج ذرا صحرا میں جا کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ کس حال میں ہیں؟ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ ان کو لے کر چل پڑتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے صحرا میں ایک قافلہ اترا تھا اور وہاں قیام پذیر تھا۔ وہاں گئے۔ دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے خیموں میں آرام کر رہے تھے۔ ایک خیمے کے آگے ایک عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ ہے اور آگ جل رہی ہے۔ سلام کیا، پوچھا: آپ کس حال میں ہیں؟ اس نے کہا: ایک بیوہ عورت ہوں، میرے دو بچے ہیں اور ان کو کھانے پینے کے لیے کچھ نصیب نہیں ہے، میں نے آگ جلائی ہے اور دیگچی رکھ دی ہے، اس میں صرف پانی ڈال دیا ہے، یہ میرے بچے انتظار کر رہے ہیں کہ کچھ پکے گا اور ہم کھائیں گے اور یہ رو رہے ہیں اور بالآخر روتے دھوتے یہ سو جائیں گے اور مجھ بیوہ کی رات گزر جائے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو انہوں نے اسلم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، بیت المال آئے، اس کا دروازہ کھلوایا۔ وہاں سے آٹے کی بوری لی اور کچھ شہد لیا اور گھی کا ڈبہ لیا اور یہ لے کر چل پڑے اور جو آٹے کی بوری تھی وہ وزنی تھی۔ اسلم رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر رکھو۔ حالانکہ غلام ساتھ ہے، اگر آپ چاہتے تو اس کو کہتے کہ بھئی! اس کو لے کر میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! مجھے موقع دیجیے! میں اٹھا کر لے جاتا ہوں، فرمانے لگے: اسلم! کیا قیامت کے دن بھی تم عمر کا بوجھ اٹھاؤ گے یا عمر کو خود اٹھانا پڑے گا؟ وہ چپ ہو گئے۔ عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ میری ڈیوٹی تھی کہ ان کو

کھانا ملتا نہیں ملا تو اب اس کا بوجھ مجھے اٹھانا ہے۔ انہوں نے خود آٹے کی بوری اٹھا کر پورا شہر کراس کیا، وہاں پہنچے اور اس عورت کو آٹا، گھی اور شہد دیا اور کہا کہ ان بچوں کے لیے کچھ بنائے۔ اس نے کہا کہ اچھا میں برتن دھوتی ہوں اور کچھ بناتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا تمہاری آگ میں جلاتا ہوں۔ چنانچہ آگ جلانے کے لیے لکڑیوں کو پھونک مارنے لگے۔ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لکڑیاں گیلی تھیں تو بڑی پھونکیں مارنی پڑیں، لیکن آپ آگ جلانے کے لیے لگے ہوئے تھے۔ بالآخر آگ جل گئی۔ اتنے میں اس عورت نے برتن دھو لیے۔ پھر اس عورت نے برتن میں گھی ڈالا، آٹا ڈالا، شہد ڈالا تا کہ کچھ حلوہ نما چیز بن جائے۔ بچے کچھ مہک سونگھ کر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ حضرت! اب یہ کھانا بنا لے گی، وقت کافی ہو چکا ہے چلتے ہیں۔ فرمایا: نہیں! ابھی بیٹھیں۔ بیٹھے رہے، حتیٰ کہ حلوہ بن گیا اور اس نے بچوں کو کھلایا، بچے کھانے لگے۔ بچوں کا پیٹ بھر گیا تو وہ بچے خوشی سے کھیلنے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کو کھیلتا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اور جب دیکھا کہ یہ خوب خوش ہیں تو پھر اٹھ کر چلے آئے۔ میں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ نے اتنی دیر بیٹھ کر انتظار کیوں کیا؟ عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سنیے! فرمایا: ''اسلم! میں نے ان آنکھوں سے ان بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تھا، میرا جی چاہا کہ ان آنکھوں سے ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھتا جاؤں۔''

(حیاۃ الصحابۃ: ۳/ ۴۳)

سبحان اللہ! یہ ہوتی ہیں لیڈر شپ کی صفات، یہ ہوتے ہیں قوم کے ذمہ دار!!

ساتواں اصول:

(7) Ensure tasks are understood and done.

''جائزہ لیتے رہنا کہ امور کی کما حقہ بجا آوری ہورہی ہے۔''

یہ لیڈرشپ کی ساتویں خوبی ہے۔ان لیڈرشپ کے اصولوں کو طے کرنے کے لیے لاکھوں ماہرین نفسیات بیٹھیں ہوں گے اور ان کی سٹڈیز کو سامنے رکھا گیا ہوگا۔اور اتنی سٹڈی اور محنت کے بعد پھران کو فائنل کیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس بندے کے ذمے کام لگاتے تھے اس کا پتہ بھی کرتے تھے کہ وہ اپنا کام کر بھی رہا ہے یا نہیں کر رہا۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا واقعہ سن لیجیے! کہ کام ذمے لگانے والے کیسے تھے؟ اور جن کے ذمے کام لگایا جاتا تھا وہ کیسے تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حمص پہنچے۔ یہ Syria (شام) کا ایک شہر ہے۔ وہاں کے گورنر سے ملاقات ہوئی، پھرلوگوں سے ملاقات ہوئی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہیں اپنے گورنر کے بارے میں کوئی شکایت تونہیں؟انہوں نے کہا: جناب! ہمیں اپنے گورنر سے چار شکایات ہیں۔فرمایا: بتاؤ کونسی؟

کہنے لگے: پہلی بات تو یہ کہ یہ ڈیوٹی پر صبح جلدی نہیں آتے، جب سورج خوب اوپر آجاتا ہے تب یہ ڈیوٹی پر آتے ہیں۔عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری شکایت بجا۔ دوسری شکایت کونسی ہے؟ انہوں نے کہا: دوسری شکایت یہ ہے کہ یہ دن میں تو ہم سب کے کام کرتے ہیں، بات سنتے ہیں، رات کو یہ کسی سے نہیں ملتے۔ دروازہ بند رہتا ہے۔ کہا: یہ بھی تمہاری شکایت بجا ہے۔تیسری شکایت کیا؟ کہا کہ مہینے میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ پورا دن یہ چھٹی کرتے ہیں، گھر سے نہیں نکلتے۔فرمایا: یہ بھی تمہاری شکایت بجا۔چوتھی شکایت بتاؤ! انہوں نے کہا: کبھی کبھی ان پر ایسا دورہ پڑتا ہے کہ جیسے موت آجائے اتنا یہ روتے ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ بھی تمہاری شکایت بجا۔

چنانچہ انہوں نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جو گورنر تھے ان کو بلا لیا اور کہا کہ یہ لوگ

آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، ذرا ان کو جواب دے دیجیے! اب یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی کھلی کچہری ہے۔ ذرا اس کا بھی حال سن لیجیے!

لوگوں نے کہا کہ جناب! آپ دن چڑھے گھر سے نکلتے ہیں، جلدی کیوں نہیں آتے؟ تو گورنر نے جواب دیا: جناب! میرے گھر میں کوئی خادم ہے، نہ خادمہ۔ فقط میری بیوی ہے اور میں ہوں۔ مجھے اپنے گھر کے کاموں میں اپنی بیوی کی مدد کرنی پڑتی ہے، صبح کے وقت میں آٹا گوندھتا ہوں، پھر تھوڑی دیر انتظار کرتا ہوں کہ روٹی اچھی بن جائے۔ پھر میری بیوی روٹی بنا دیتی ہے، میں گھر کے دوسرے کام سمیٹ دیتا ہوں اور پھر میں کھانا کھا کر گھر سے نکلتا ہوں تو اس طرح مجھے آنے میں کچھ دیر ہو جاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ بڑے خوش ہوئے کہ اتنے بڑے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی اتنی تواضع کہ گھر میں اپنی بیوی کے کاموں میں خود مدد کرتے ہیں اور اپنے لیے کوئی خادم اور خادمہ نہیں۔

فرمایا: اچھا! دوسری بات پوچھو! لوگوں نے کہا: جی! رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا جواب دیں۔ انہوں نے کہا: جی! میں نے اپنی زندگی کے اوقات کو تقسیم کرلیا ہے۔ میں نے دن اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور رات کا وقت اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا۔ میں دن میں لوگوں کے پاس ہوتا ہوں اور رات میں مصلے پر اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ سن کر خوش ہوئے۔

پھر پوچھا کہ تیسری بات کیا ہے؟ لوگوں نے تیسرا اعتراض کیا کہ جی! مہینے میں ایک دن یہ گھر سے نہیں نکلتے۔ پوچھا: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ میرے پاس ایک سے زیادہ جوڑے نہیں ہیں۔ یہ جو آپ جوڑا پہنا دیکھ رہے ہیں بس میرے پاس یہی

ہے، اس لیے ایک دن ایسا آتا ہے کہ میں گھر میں لنگوٹ باندھ لیتا ہوں اور اس جوڑے کو خود دھوتا ہوں۔ پھر مجھے اس کے خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اب چونکہ مجھے کپڑے بھی دھونے ہوتے ہیں اور ان کے خشک ہونے کا انتظار بھی کرنا ہوتا ہے، اس لیے مجھے مہینے میں ایک دن اپنی اس ضرورت کے لیے فارغ کرنا پڑتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سن کر بہت حیران ہوئے۔ لوگوں نے بھی کہا: ہاں! واقعی یہ ایک جائز ضرورت ہے۔

پوچھا: چوتھا اعتراض کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کبھی کبھی ان پر موت کی سی غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ پوچھا: وہ کیوں؟ کہنے لگے: اہلِ مکہ نے جب خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، پھانسی پر لٹکایا تھا، میں اس وقت مشرک تھا، اسلام قبول نہیں کیا تھا، مشرکین کے ساتھ تھا۔ میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ع جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

(خبیب رضی اللہ عنہ جس طرح پھانسی کے پھندے تک چل کر گئے تھے، پھر جس طرح مشرکین نے ان کے اعضا کو پہلے کاٹا، تکلیف دی، پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں آزاد کر دیا جائے اور تمہارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری جگہ ہوتے؟ یہ سن کر خبیب رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا تھا: میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور اس کے بدلے میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جائے۔ انہوں نے کہا: ہم پھر تمہیں پھانسی چڑھا دیں گے، فرمایا: چڑھا دو۔ چنانچہ انہیں پھانسی چڑھا دیا گیا۔ تختہ دار پر انہوں نے یہ دعا کی تھی: اللہ! میں جس حال میں ہوں میرے محبوب کو یہ دکھا دینا۔ کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ درمیان میں جتنے پردے تھے اللہ رب العزت نے ہٹا دیے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آنکھوں سے دیکھا کہ دین اسلام

کی خاطر کس طرح جان دے رہے تھے۔) فرمانے لگے: جب وہ منظر میرے سامنے آتا ہے تو مجھے پشیمانی کا احساس ہوتا ہے کہ کاش! میں نے اس وقت اسلام قبول کیا ہوتا اور میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کی اس وقت مدد کی ہوتی، میں کیوں مشرکین کے ساتھ تھا؟ میں خبیب کا ساتھی کیوں نہیں تھا؟ جب یہ بات یاد آتی ہے تو مجھے لگتا ہے کہ شاید میرا گناہ قیامت کے دن معاف نہیں ہوگا، پھر میرے اوپر غم طاری ہوتا ہے اور موت کی سی غشی طاری ہو جاتی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس کو میں نے لوگوں کے امور کا نگران بنایا ہے، اللہ کا کتنا خوف اس کے دل میں موجود ہے۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۲۶۹)

آٹھواں اصول:

(8) Train as a team

''کام کرنے والی ٹیم پیدا کرنی چاہیے۔''

جو اچھے لیڈر ہوتے ہیں وہ اپنی عوام کو ایسی ٹیم پیش کیا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسے تربیت کیا کرتے تھے اور انہیں کاموں پر بھیجا کرتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک گھر میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب اپنی اپنی تمنائیں بیان کرو۔ کسی نے کہا: میرا دل چاہتا ہے یہ پورا مکان مال سے بھرا ہوتا اور میں اس مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتا۔ دوسرے نے کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ یہ پورا مکان ہیروں اور جواہرات سے بھرا ہوتا اور میں سارے کا سارا اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتا۔ تو ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا بیان کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کی تمنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میری تمنا یہ ہے کہ یہ مکان ابو

عبیدۃ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگوں کے ساتھ بھرا ہوتا اور میں ان لوگوں کو پوری دنیا میں دین کی خدمت کے لیے نمائندہ بنا کر بھیج دیتا۔

(اخرج البخاری فی التاریخ الصغیر، حیاۃ الصحابۃ: ۳/ ۷۷)

نواں اصول:

(9) Use fall capability of organization

''قوانین کا نفاذ ہونا چاہیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعی قوانین بنائے اور ان کو لاگو کر کے دکھا دیا اور اس معاملے میں وہ کسی سے نرمی نہیں کیا کرتے تھے۔ بہت زیادہ ڈسپلن تھا۔

دسواں اصول:

(10) Be Technically proficient.

''بندے میں اس عہدے کی تکنیکی اہلیت بھی ہونی چاہیے۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے ڈیم بنوائے، پولیس کا محکمہ بنوایا، کوفہ کو مسلمانوں کی چھاؤنی بنوایا اور انصاف کی فضا قائم کر کے دکھا دی کہ واقعی اللہ کے بندے، ایک ایسے انصاف کے ماحول میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ یمن سے ایک عورت چلتی ہے اور مدینہ پہنچتی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو نے اکیلے سفر کیوں کیا؟ اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بتاؤ! تم نے راستے میں لوگوں کو کیسا پایا؟ تو وہ جوان العمر عورت کہتی ہے: میں ایک عورت ہوں، میرے پاس زیور بھی تھا، میری جان کا بھی مسئلہ، آبرو کا بھی مسئلہ، میں نے یمن سے مدینہ کا سفر کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ وہاں سے لے کر یہاں تک ایک ماں کی اولاد رہتی ہے۔

گیارہواں اصول:

(11) Seak responsibility and take responsibility of your action.

''اپنی (ذمہ داری) کو سمجھے اور اپنے امور کی ذمہ داری اپنے سر پر لے، لوگوں پر نہ ڈالے۔''

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی پیاسا مر جائے گا تو قیامت کے دن عمر کو اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ (کنز العمال: ۵/ ۷۵۶)

احساسِ ذمہ داری اتنا تھا کہ ان کو ہر وقت فکر رہتی تھی۔

ایک مرتبہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ملے اور کہا: حذیفہ! مجھے پتہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو منافقین کے نام بتا دیے اور یہ بھی پتہ ہے کہ آگے بتانے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ میں آپ سے ان کے نام تو نہیں پوچھتا، بس اتنا پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں؟ (مکارم الاخلاق للخرائطی: ۱/ ۳۱۵)

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کہا: بیٹے! جب میری وفات ہو جائے تو مجھے جلدی نہلا دینا، کفنا دینا، مجھے جلدی دفنا دینا۔ دو تین مرتبہ یہ دہرایا تو بیٹے نے کہا: ابا جان! ہم جلدی تو کریں گے مگر آپ اتنا سٹریس (زور) کیوں کر رہے ہیں؟ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: بیٹے! میں زور اس لیے دے رہا ہوں کہ اگر اللہ مجھ سے راضی ہیں تو تم جلدی مجھے اللہ سے ملا دینا اور اگر اللہ مجھ سے خفا ہیں تو میرا بوجھ جلدی اپنے کندھوں سے اتار دینا۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۴/ ۱۴۸)

یہ لیڈر شپ کی Qualities (خوبیاں) تھیں جن کی وجہ سے آج دنیا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو یاد کرتی ہے۔ The Hundard (دی ہنڈرڈ) ایک کتاب ہے۔ اس میں مائیکل ہارٹ نے عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا کہ واقعی! انہوں نے دنیا کے اندر لیڈر شپ کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی تھی۔

تعلیماتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے امیر المومنین بنا دیا:

اب ان کا ایک واقعہ سن لیجیے! تا کہ ہم اپنی بات کو مکمل کریں۔ مکہ مکرمہ جا رہے ہیں۔ پیچھے بہت سے لوگ ہیں، ایک جگہ رک کر کھڑے ہو گئے۔ وادی میں دیکھ رہے ہیں۔ دھوپ کافی ہے۔ کسی نے کہا: حضرت! آپ کھڑے کیوں ہو گئے؟ فرمانے لگے: میں اس وادی کو دیکھ رہا ہوں، اسلام لانے سے پہلے میں یہاں اونٹ چرانے آتا تھا، مجھے اونٹ چرانے کا سلیقہ بھی نہیں آتا تھا، میرے اونٹ خالی پیٹ جاتے تھے تو میرا والد مجھے کوستا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تو کیسے زندگی گزارے گا؟ تجھے تو اونٹ چرانے نہیں آتے۔ میں اپنے اس وقت کو یاد کرتا ہوں جب مجھے اونٹ بھی چرانے نہیں آتے تھے اور آج اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے عمر کی زندگی ایسے بدل دی کہ عمر کو ''امیر المومنین'' بنا کر رکھ دیا۔ (تاریخ دمشق: ۴۴/۳۱۶)

یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیرِ انسانیت کی کتنی انوکھی مثال ہے کہ جس کو اونٹ چرانے نہیں آتے تھے وہ ان کی تعلیمات کی وجہ سے وقت کے امیر المومنین بن گئے۔

صفہ...... تعلیماتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا مرکز:

آج کی یونیورسٹیز اور کالجز کو ہم دیکھیں تو عام طور پر یہ آنے والے طلبا کو کسی ایک

شعبے یا فن کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً:

......کامرس کالجز سے بزنس ایڈمنسٹریشن، اکاؤنٹنسی اور اکنامیکل افیئرز کی تعلیم ملتی ہے۔

......اگر کسی نے ڈاکٹر بننا ہو تو وہ میڈیکل کالجز میں جاتا ہے۔

......انجینئر بننے کے لیے انجینئرنگ یونیورسٹیاں ہیں۔

......فضائی انجینئرنگ سیکھنے کے لیے ایروناٹیکل انجینئرنگ کے ادارے ہیں۔

......آرمی مکینکل انجینئرنگ کے الگ ادارے ہیں۔

الغرض کہ آج کے تعلیمی ادارے کسی ایک شعبے میں ہی بندے کو ایکسپرٹ بناتے ہیں، لیکن قربان جائیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسجد نبوی میں صفہ کو تعلیمی مرکز بنایا اور وہاں سے تعلیمی و تربیتی معارف کے ایسے جواہر تقسیم کیے کہ جو شاگرد آیا وہ انسانِ کامل بن کر نکلا۔ ربِ کائنات کی منشا دیکھیے!

فرشتوں کو دکھانا تھا، بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

گلشنِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے پھولوں کا تعارف:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان معاشرے کے کسی ایک طبقے کو نہیں، بلکہ ہر بنی نوع انسان کو ملا۔ آیئے! اس گلشن کے پھولوں کا تعارف کیجیے!

◇......دیگر مذاہب کے کبار علما، جیسے:

......یہود کے بڑے عالم عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

......عیسائیوں کے پیشوا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

......قبیلہ طے کے پادری تمیم داری رضی اللہ عنہ

......اور مجوسیوں میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے جدی پشتی آتش کدہ جلانے والے فیضانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیضیاب ہو کر دنیا کو فیضیاب کرتے ہیں۔

◇......کئی صحابہ دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں، جیسے:

......حبشہ سے بلال رضی اللہ عنہ آئے

......روم سے صہیب رضی اللہ عنہ آئے

......ایشیائے کوچک سے عداس رضی اللہ عنہ آئے۔

اور آکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدّام میں شامل ہو جاتے ہیں۔

◇......بادشاہوں کا نظارہ دیکھیے!

......شاہِ دومۃ الجندل، اکیدر رضی اللہ عنہ

......شاہِ بحرین، عبفر رضی اللہ عنہ

......شاہ ابی سینا، صحم رضی اللہ عنہ

......شاہِ حمیر، ذوالکلاع رضی اللہ عنہ

......ملک یمن کے وائسرائے، باذان رضی اللہ عنہ، اور

......ملکِ شام کے وائسرائے، فروہ خزاعی رضی اللہ عنہ

آتے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

◇......شعر و ادب کی دنیا کے ماہرین پر نظر دوڑائیے!

......ابنِ زہیر جیسے سخن گستر

......نابغہ جیسے زبان آور

......کعب جیسے زمزمہ سنج اور

......حسان جیسے حقیقت پسند

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔

◇ ......شجاعت و بہادری کے پیکر

......فاتحِ عراق، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

......فاتحِ شام، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

......فاتحِ ایران، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور

......فاتحِ مصر، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

درِ نبوت سے ہی ذوقِ خدائی لے کر نکلتے ہیں۔

◇ ......جرأت و بے باکی میں:

......ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ

......شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

......عکرمہ کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ

......سہیل بن عمرو قرشی رضی اللہ عنہ

......ثمامہ بن اثال نجدی رضی اللہ عنہ

......اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ

ایک جیسے امیرِ جیش نظر آئیں گے۔

◇......فقراء اور غرباء کے طبقے کو دیکھیے!

حضرت سالم رضی اللہ عنہ......ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، مگر راہِ ہجرت میں مہاجرین کے امام ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ......غلام ہیں، مگر "سریہ موتہ" میں جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے اوپر تھے۔

صہیب رومی رضی اللہ عنہ......غلام ہیں، مگر عہدِ فاروقی کے آخری دور میں مسجدِ نبوی کے امام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کام لیا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت ایک مقدس جماعت بن کر گزری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے ان کو انسان بنا کر رکھ دیا۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کا کیا روشن باب ہے!!

آئیے! تبدیلی کا عہد کریں:

آج کی اس مجلس میں ہم بھی یہ عہد اور ارادہ کریں کہ ہم سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں گے اور ان کی تعلیمات کے مطابق زندگی کو بدلیں گے اور آئندہ ایک اچھا انسان بن کر رہنے کی کوشش کریں گے۔ یہی نبی علیہ السلام کی ولادت کے دن کا پیغام ہے۔ اسے ہم ایک Lesson (سبق) سمجھ کر کو قبول کریں اور کمٹمنٹ کریں کہ آج کے دن ہماری زندگیوں میں ایک تبدیلی آئے گی۔ ہم ایک معاشرے کا بہتر انسان اور گھر کا بہتر فرد بن کر زندگی گزاریں گے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو پوری دنیا کے اندر پھیلائیں گے۔

؎ نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیغام آئے

پرِ پرواز بخشے اس نے ایسے آدمیت کو
ملائک رہ گئے پیچھے کچھ ایسے بھی مقام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے
خدا شاہد ہے یہ ان کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا
شہنشاہ گر پڑے قدموں میں جب ان کے غلام آئے

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی علیہ السلام کا غلام بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔
(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

رحمۃ للعالمین

رحمۃ للعالمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل جہانوں کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لیے بہت ہی شفیق اور مہربان تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾

(التوبۃ:۱۲۸)

''(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے!''

دوسری طرف امتیوں کے دلوں میں ان کی محبت کا یہ مقام ہے کہ فرمایا:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب:٦)
''ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔''
یعنی ان کو نبی ﷺ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔

دو بے مثال نعمتیں:

اللہ رب العزت کی دو نعمتیں بے مثال ہیں۔ پہلی نعمت ''اسلام'' ہے۔ کوئی آدمی کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اسلام اس کے پہلے والے تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ فرمایا گیا:

((اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ)) (صحیح مسلم:١/١١٢)

''اسلام پہلے والے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

اس نعمت خداوندی کا قرآن مجید میں یوں تذکرہ کیا گیا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (المائدۃ:٣)
''آج کے دن میں نے تم پر تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کامل کر دی۔''

اس آیت مبارکہ میں دین کو اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دیا۔

دوسری نعمت ''نبی ﷺ کی ذات بابرکات'' ہے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اربوں کھربوں نعمتیں عطا فرمائیں اور یہاں تک فرما دیا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل:١٨)
''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن نہیں سکو گے۔''

اتنی نعمتیں دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے احسان نہیں جتلایا، آنکھیں دیں مگر احسان نہیں جتلایا، زبان دی مگر احسان نہیں جتلایا، دل و دماغ دیے مگر احسان نہیں جتلایا، رزق دیا مگر احسان نہیں جتلایا، زمین کے لیے سورج، چاند اور ستارے بنائے، مگر احسان نہیں جتلایا، البتہ ایک ایسی نعمت بھی دی کہ دینے والے کو بھی مزہ آ گیا اور اس دینے والے نے بھی فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔"

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ نبی ﷺ اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی نعمت ہیں کہ یہ اس کا بندوں پر احسان ہے۔ ان دونوں نعمتوں کا کوئی نعم البدل نہیں۔

عورت کے دل میں بچے کی محبت:

نبی ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے عورت کے دل میں بچے کے ساتھ محبت کا ہونا فطری چیز ہے، اس کو ہر بچے کے ساتھ عمومی محبت ہوتی ہے، اپنے بیٹے کے ساتھ خصوصی محبت ہوتی ہے۔ اگر کچھ مرد حضرات کسی جگہ موجود ہوں اور ان کے سامنے کوئی بچہ روئے تو وہ اتنے زیادہ متوجہ نہیں ہوں گے، لیکن اگر کوئی عورت قریب ہوگی تو اس کا دل فوراً پسیج جائے گا اور اٹھ کر معلوم کرے گی کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔

ایک عجیب مقدمہ:

ایک بچے پر دو عورتوں نے مقدمہ کر دیا۔ ایک کہتی تھی کہ یہ میرا بیٹا ہے اور دوسری

کہتی تھی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ وقت کے قاضی نے کہا: اچھا! دلائل سے تو یوں پتہ نہیں چل رہا کہ یہ بچہ کس کا ہے، لہٰذا ہم بچے کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو بچے کے دو ٹکڑے کروانے پر تیار ہوگئی، مگر دوسری نے کہا کہ بچے کے ٹکڑے نہ کریں، بچہ اسی عورت کو دے دیں، چلو میں اس کو کبھی کبھی تو دیکھ لیا کروں گی۔ اس بات سے قاضی نے اندازہ لگالیا کہ ان دونوں میں سے وہ بچہ کس کا ہے۔ یوں گویا ماں خود تو قربان ہو جاتی ہے، مگر اس سے بچے کی تکلیف نہیں دیکھی جاسکتی۔

ہر کام امت کے لیے رحمت

نبی ﷺ تمام جہانوں کے لیے عمومی طور پر رحمت بن کر تشریف لائے اور اپنی اس گنہگار امت کے لیے خصوصی طور پر رحمت بن کر آئے۔ چنانچہ نبی ﷺ کا ہر کام رحمت بنا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھول......ایک رحمت:

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز میں چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر اتنا ادب تھا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ نے چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھیں، بلکہ یوں پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا آج کے بعد اس نماز کی دو رکعتیں ہوگئی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں! چار رکعتیں ہی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! آپ نے تو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے بقیہ دو رکعتوں کو بھی پورا کیا اور آخر میں سجدہ سہو ادا کیا۔

(صحیح ابن حبان، حدیث:۲۶۸۶)

(اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھلایا، تا کہ اس بھول کی وجہ سے امت کے لیے سجدۂ سہو کا مسئلہ واضح ہو جائے۔) سبحان اللہ! جس محبوب ﷺ کا بھول جانا بھی امت کے لیے رحمت ہو اس محبوب ﷺ کا عام حالت میں ہونا امت کے لیے کتنی بڑی رحمت ہوگا؟!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند......ایک رحمت:

ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جہاد سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ دیر ہو گئی، رات کے وقت آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ پہرہ دیں اور پھر فجر کی نماز کے لیے سب کو جگا دینا۔ سب حضرات آرام فرمانے لگے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہرہ دینے لگے۔ پہرہ دیتے دیتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ ٹیک لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی نیند مسلط فرما دی، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ جب سورج کی شعاعوں نے نبی ﷺ کے رخسار مبارک کے بوسے لیے تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! تم بھی سو گئے اور ہمیں بھی نہ جگایا۔ عرض کیا: اے اللہ کے محبوب (ﷺ)! جس ذات نے آپ پر نیند طاری کر دی اسی پروردگار نے مجھے بھی سلا دیا۔ پھر نبی ﷺ نے قضا نماز پڑھائی اور ارشاد فرمایا: جس شخص کی نماز قضا ہو جائے اسے چاہیے کہ جب اسے یاد آ جائے تو پڑھ لے۔ (جامع الاصول، حدیث: ۳۲۴۸)

دیکھیے! اس واقعہ سے قضا نماز کا حکم معلوم ہوا۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس نبیٔ رحمت ﷺ کا سو جانا بھی امت کے لیے رحمت ہو ان کا جاگنا امت کے لیے کتنی بڑی رحمت ہوگا؟!

بد دعا کے رحمت بننے کی دعا:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! اگر میں کسی کے لیے بد دعا کروں، اور کسی کو ماروں تو اے اللہ! میری بد دعا کو اور میرے برے کلمہ کہنے کو اس شخص کے حق میں رحمت بنا دینا اور اسے اپنا قرب عطا فرما دینا۔''

(صحیح بخاری، حدیث: ۶۳۶۱)

جس محبوب ﷺ کی زبان سے بالفرض بد دعا نکلے اور وہ بھی رحمت بن جائے تو اس محبوب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو دعائیں نکلیں وہ کتنی بڑی رحمت بنی ہوں گی؟!

نبی رحمت ﷺ کی رحمت کی تقسیم

نبی رحمت کے رحمۃ للعالمین ہونے کی صفت سے ہر ایک نے حصہ پایا۔

ماں کا حصہ:

نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے ماں نے حصہ پایا، دنیا کو ماں کے مقام کا ابھی اتنا پتہ نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے آ کر وضاحت فرمائی کہ

((اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ)) (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۱۱۴۷۶)

''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

نبی ﷺ نے ہی آ کر بتایا کہ جو بیٹا یا بیٹی اپنی ماں کے چہرے پر محبت وعقیدت کی ایک نظر ڈالے اللہ تعالیٰ ہر نظر کے بدلے اسے ایک حج یا عمرے کے برابر اجر عطا

فرمائیں گے۔(کنزالعمال،حدیث:۴۵۵۳۵)

بیٹی کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمت سے بیٹی نے حصہ پایا۔ چنانچہ وہ عرب لوگ جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور جو بیٹی کی پیدائش کے بارے میں سنتے تھے تو ان کے چہروں پر سیاہی آجاتی تھی، ان عربوں کو نبی ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ جس گھر میں دو بیٹیاں ہوں اور باپ ان کی اچھی تربیت کرے، حتیٰ کہ ان کی شادی کر دے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(شعب الایمان،حدیث:۸۶۷۶)

سبحان اللہ! بیٹی کو کتنا بلند مقام ملا۔ اسی لیے فقہاء نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ہاں بیٹا بھی ہو اور بیٹیاں بھی ہوں اور وہ کوئی چیز گھر میں لے کر آئے تو اس باپ کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنی بیٹی کو چیز دے اور بعد میں بیٹے کو دے۔ سبحان اللہ! بیٹی کو ایک بلند مقام ملا اور لوگوں پر واضح ہوا کہ بیٹی زحمت نہیں، بلکہ بیٹی رحمت ہے۔

بیوی کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی سے بیوی نے بھی حصہ پایا۔ عربوں میں بیویوں کو ایسی مصیبت میں ڈال دیا جاتا تھا کہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ نہ ان کو وراثت میں کوئی حق ملتا تھا، خاوند اپنی بیوی کو نہ طلاق دیتے تھے اور نہ انہیں اچھی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ وہ انہیں درمیان میں ہی معلق کر دیتے تھے۔ ان کا کوئی حق بھی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، لیکن نبی ﷺ نے تشریف لا کر بیوی کو حقوق دلوائے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُ كُمْ خَيْرُ كُمْ لِاَهْلِهِ)) (ترمذی، حدیث: ۳۸۹۵)

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے''۔

آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ دنیا ایک متاع ہے اور بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ (صحیح ابن حبان، حدیث: ۴۰۳۱)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں: ان میں سے ایک چیز نیک بیوی فرمائی۔ (کشف الخفاء: ۱/ ۳۴۰)

گویا آپ ﷺ نے ان تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں بیوی کے مقام کو واضح فرمایا۔

خاوند کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے خاوند نے بھی حصہ پایا۔ خاوند کے مقام کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(مجمع الزوائد: ۴/ ۵۶۸)

خاوند کو یہ مقام اللہ رب العزت نے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے عطا فرمایا۔

چھوٹے بڑوں کا حصہ:

آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے صدقے چھوٹے بڑوں نے حصہ پایا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے تعلیم دی:

((مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

(المطالب العالیۃ لابن حجر: ۱۱/ ۵۸۵)

''جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے ہی نہیں۔''

علمائے کرام کا حصہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی سے علما نے بھی حصہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ)) (صحیح ابن حبان، حدیث:۸۸)

''علما انبیا کے وارث ہیں۔''

اور بعض روایات میں فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کے مانند اٹھائے جائیں گے۔ (مفاتیح الغیب، سورۃ ابراہیم)

اور فرمایا کہ جس نے کسی عالم باعمل کے پیچھے نماز پڑھی ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ (مفاتیح الغیب:۲/۱۶۶)

کیونکہ جب کام بڑا ہوتا ہے تو پھر مقام بھی بڑا ملتا ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ)) (ابن ماجہ، حدیث:۲۲۲)

''ہزار عبادت گزار ہوں تو بھی ایک عالم ان سے زیادہ بھاری ہے۔''

طلبا کا حصہ:

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی سے طالب علموں نے بھی حصہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَنْ کَانَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ کَانَتِ الْجَنَّۃُ فِیْ طَلَبِہٖ))

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث:۲۳۵۵۴)

''جو انسان علم کی طلب میں ہوتا ہے جنت اس بندے کی طلب میں ہوتی ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی طالب علم اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے قدم نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (ابن ماجہ، حدیث: ۲۲۶)

یوں نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی وجہ سے طالب علم کو عزت اور شرف بخشا گیا۔

مجاہد کا حصہ:

نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے مجاہد نے بھی حصہ پایا۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان اللہ کے راستے میں نکلتا ہے اور اسے کوئی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے ہر چھوٹی بڑی تکلیف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نصیب ہوتا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ (التوبۃ: ۱۲۰)

''یہ اس لیے کہ ان (مجاہدین) کو جب کبھی اللہ کے راستے میں پیاس لگتی ہے یا تھکن ہوتی ہے، یا بھوک ستاتی ہے، یا وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو کافروں کو گھٹن میں ڈالے، یا دشمن کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں تو ان کے اعمال نامے میں (ہر ایسے کام کے وقت) ایک نیک عمل ضرور لکھا جاتا ہے۔''

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد جب اللہ تعالیٰ کے

راستے میں جہاد کرتا ہے تو ابھی اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

(کنز العمال، حدیث: ۱۱۱۴۱)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب لوگوں کی روح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو ان کی روح کو ملک الموت قبض کرتے ہیں، لیکن جب مجاہد کے شہید ہونے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا ضابطہ بدل لیتے ہیں اور ملک الموت کو ارشاد فرماتے ہیں: اے ملک الموت! میرا یہ بندہ میرے نام پر اپنی جان دے رہا ہے، اب اس کی روح لینے کا وقت ہے، اب تو پیچھے ہٹ جا، اس کی روح میں خود لوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجاہد کی روح کو خود جسم سے جدا کرتے ہیں...... اصول تو یہ تھا کہ ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو یا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اگر وہ فوت ہو جائے تو چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اس لیے اس کو نہلا دیا جائے، پہلے کپڑے اتار دیے جائیں اور کفن کے کپڑے پہنا دیے جائیں، تاکہ یہ ایک یونیفارم میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو، لیکن جب مجاہد کا معاملہ آیا تو پروردگار عالم نے اس کی محبت کے صدقے اپنے ضابطے بدل دیے اور فرمایا کہ اس کو نہلانا بھی نہیں، کیونکہ یہ تو اب خون میں نہا چکا ہے، اب اسے پانی سے نہلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے کفن پہنانے کی بھی ضرورت نہیں، اس کے کپڑوں پر جو خون کے داغ لگے ہیں یہ تو مجھے پھولوں کی طرح محبوب ہیں، میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ انہی خون آلود کپڑوں میں میرے سامنے کھڑا کر دیا جائے۔ سبحان اللہ!

تاجر کا حصہ:

اللہ کے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے تاجر کو بھی حصہ ملا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے

ارشاد فرمایا: سچا تاجر قیامت کے دن اللہ رب العزت کے نزدیک انبیاء کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ سبحان اللہ! (کنز العمال حدیث: ۹۲۱۷)

مزدور کا حصہ:

مزدور کو بھی نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے مصافحہ کیا تو نبی ﷺ نے دیکھا کہ ان کی ہتھیلی پر گٹے پڑے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ہتھیلی سخت تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! میں پتھر توڑتا ہوں جس کی وجہ سے میرے ہاتھ سخت ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ (مسند البزار)

گویا ملازمین اور محنت مزدوری کرنے والوں کو بھی نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے عظمت عطا ہوئی۔

پڑوسی کا حصہ:

پڑوسی کو بھی سید الانبیاء ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی کے حقوق کے بارے میں جبرئیل امین اتنی دفعہ میرے پاس آئے کہ مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ شاید بندے کے مرنے کے بعد اس کے پڑوسی کو بھی اس کے ورثاء میں شامل کر لیا جائے گا۔ (بخاری، حدیث: ۶۰۱۴)

اندازہ لگائیے کہ پڑوسی کے حقوق کا کتنا اہتمام فرمایا گیا....!

یتیم کا حصہ:

نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے یتیم نے بھی حصہ پایا۔ معاشرے میں عام

طور پر یتیم کو کوئی بھی کچھ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، مگر نبی اکرم ﷺ نے آ کر یتیم کے حقوق بھی متعین فرمائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ)) (شعب الایمان، حدیث:۱۱۰۲۶)

''جو آدمی کسی یتیم کی کفالت کرنے والا ہوگا وہ جنت میں میرے ساتھ ایسے ہوگا جس طرح ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں۔''

یتیم...... نبی اکرم ﷺ کی نظر میں:

مشہور روایت ہے کہ نبی ﷺ عید کے دن گھر سے مسجد کی طرف تشریف لانے لگے۔ راستے میں آپ ﷺ نے کچھ بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ انہوں نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بچوں نے سلام عرض کیا تو نبی ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ نبی ﷺ نے آگے چل کر دیکھا تو ایک بچے کو خاموشی کے ساتھ اداس بیٹھا دیکھا۔ آپ ﷺ اس کے قریب رک گئے۔ آپ ﷺ نے اس بچے سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے، کیا وجہ ہے کہ تم اداس اور پریشان نظر آ رہے ہو؟ اس نے رو کر کہا: اے اللہ کے محبوب! میں یتیم مدینہ ہوں، میرے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے جو میرے لیے کپڑے لا دیتا، میری امی مجھے نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیتی، اس لیے میں یہاں اداس بیٹھا ہوں۔ نبی ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔

آپ ﷺ اسے لے کر واپس اپنے گھر تشریف لائے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: حمیرا! انہوں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس بچے کو نہلا دو۔ چنانچہ اسے نہلا دیا گیا۔ اتنے میں نبی ﷺ نے اپنی چادر کے دو ٹکڑے کر دیے۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا اسے تہبند کی طرح باندھ دیا گیا اور دوسرا اس

کے بدن پر لپیٹ دیا گیا۔ پھر اس کے سر پر تیل لگا کر کنگھی کی گئی، حتیٰ کہ جب وہ بچہ تیار ہو گیا اور نبی ﷺ کے ساتھ چلنے لگا تو نبی ﷺ نیچے بیٹھ گئے اور اس بچے کو فرمایا: آج تو پیدل چل کر مسجد میں نہیں جائے گا، بلکہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر جائے گا۔

نبی ﷺ نے اس یتیم بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اسی حالت میں اس گلی میں تشریف لائے جس میں بچے کھیل رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو وہ رو کر کہنے لگے کہ کاش! ہم بھی یتیم ہوتے اور آج ہمیں بھی نبی ﷺ کے کندھوں پر سوار ہونے کا شرف نصیب ہو جاتا۔

نبی ﷺ جب مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تو وہ بچہ نیچے بیٹھنے لگا۔ نبی ﷺ نے اسے اشارہ کر کے فرمایا: کہ تم آج زمین پر نہیں بیٹھو گے، بلکہ میرے ساتھ منبر پر بیٹھو گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کی کفالت کرے گا اور محبت و شفقت کی وجہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گا اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھ دے گا۔

سائل اور محروم کا حصہ:

نبیٔ رحمت کی رحمۃ للعالمینی سے سائل اور محروم کو بھی حصہ ملا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج: ۲۴، ۲۵)

''اور جن کے مال و دولت میں ایک متعین حق ہے، سوالی اور بے سوالی کا۔''

ہنر مندوں کا حصہ:

نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے ہنر مندوں نے بھی حصہ پایا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہنر مند مومن بے ہنر مومن سے اللہ رب العزت کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس طرح گویا ہنر سیکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ مل رہا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کا حصہ:

سید الاولین والآخرین ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے غلاموں اور باندیوں کو بھی حصہ ملا۔ نبی ﷺ جب دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اس وقت آپ ﷺ نے امت کو یہی نصیحت فرمائی:

((اَلصَّلٰوۃُ الصَّلٰوۃُ! وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ!)) (مسند احمد، حدیث: ۲۶۴۸۳)

”نماز کا دھیان رکھنا، نماز کا دھیان رکھنا اور جو تمہارے ماتحت، غلام یا باندیاں ہیں تم ان کے حقوق کی بھی رعایت کرنا۔“

جانوروں کا حصہ:

انسان تو انسان ہیں، جانوروں کو بھی آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جیسے زمانہ جاہلیت میں جانوروں کو تکلیف دی جاتی تھی تم ان کو اس طرح تکلیف مت دو۔

زمانہ جاہلیت میں جب بارش نہ ہوتی تو ایک جانور کی دم کے اوپر کوئی چیز باندھ کر اس کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ جب آگ لگتی اور جانور کی دم جلتی تو وہ تڑپتا اچھلتا تو

وہاں کے لوگ ہنستے مسکراتے اور سمجھتے تھے کہ جانور کے اس تڑپنے کی وجہ سے بارش آئے گی۔ نبی ﷺ نے ایسی بری حرکتوں سے منع فرما دیا، بلکہ اگر آدمی اپنی سواری کا جانور رکھے تو اس کے دانے پانی کا خیال رکھنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور یہ بھی تعلیم دی ہے کہ تم اس کو بلا وجہ تکلیف نہ دو۔

جنات کا حصہ:

جنات کو بھی نبی اکرم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے لیے ویرانے میں بیٹھے تو وہ بسم اللہ پڑھ لے۔ بسم اللہ پڑھ لینے سے اس کے جسم کے گرد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پردہ آ جائے گا اور اگر وہاں جن موجود ہوں گے تو ان کو بے پردگی کا کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ پھر فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت سے فارغ ہو تو ہڈی وغیرہ سے پاخانہ کو صاف نہ کرو، کیونکہ ہڈیاں جنوں کی غذا ہوتی ہیں۔ جنات کے حقوق کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دی کہ ایسا کام نہ کرنا جس سے جنات کو تکلیف پہنچے۔

درختوں کا حصہ:

درختوں کو بھی نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کو بلا مقصد درخت کے پتے کو بھی نہیں توڑنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو سرسبز پتے درخت کے ساتھ لگا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پھلدار درختوں کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم دیکھتے ہو کہ

جب سورج بلند ہوتا ہے تو اس کی دھوپ کے ساتھ درخت کا سایہ بھی گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جی ہاں! ایسا ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب درخت کا سایہ گھٹتا اور بڑھتا ہے تو اس وقت درخت بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لیے تم اس کی عبادت میں دخل نہ دیا کرو۔

مُردوں کا حصہ:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی سے جہاں انسانوں، جنوں، نباتات اور جمادات کو حصہ ملا وہاں مُردوں کو بھی حصہ ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ)) (المستدرک للحاکم: ۱/ ۳۸۴)

''تم اپنے مُردوں کی اچھائیاں بیان کیا کرو۔''

اگر اس میں کوئی غلطی، کوتاہی اور خامی بھی تھی تو اس کے تذکرے سے منع فرما دیا۔

حضرت جُبرئیل علیہ السلام کا حصہ:

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی سے فرشتوں نے بھی حصہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: جبرئیل! کیا تمہیں بھی میری رحمۃ للعالمینی سے کچھ حصہ ملا؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! جی ہاں۔ پوچھا: وہ کیسے؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: وہ اس طرح کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے اپنی آنکھوں سے شیطان کا برا انجام دیکھا تھا، اس لیے مجھے اپنے بارے میں ڈر لگا رہتا تھا کہ پتہ نہیں کہ میرا کیا معاملہ بنے گا، لیکن جب آپ تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں میرے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۝ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ﴾ (سورۃ التکویر)

ان الفاظ کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے میرا تذکرہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا انجام اچھا ہوگا۔ لہٰذا آپ کی رحمۃ للعالمینی سے میں نے بھی حصہ پالیا ہے۔

تیری چھاؤں بھی گھنی ہے..........:

اب اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ان کی رحمۃ للعالمینی سے ہر ایک نے کتنا حصہ پایا۔ اسی لیے کسی شاعر نے کہا:

وہ جو شیریں سخنی ہے میرے مکی مدنی
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے میرے مکی مدنی
تیرا پھیلاؤ بہت ہے تیرا قامت ہے بلند
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے میرے مکی مدنی
دست قدرت نے تیرے بعد پھر ایسی تصویر
نہ بنائی نہ بنی ہے میرے مکی مدنی
نسل در نسل تیری ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی ابن غنی ہے میرے مکی مدنی

امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشات

◇ نبیٔ رحمت ﷺ کی مبارک اور مقبول دعاؤں سے اس گنہگار امت نے بھی وافر حصہ پایا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بہت ساری سختیوں کو دور فرما دیا۔ یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی تھی اور اس بھول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوا تھا کہ ان کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ انہوں نے جنت کی جو پوشاک پہنی ہوئی تھی وہ بھی اتروا لی گئی۔ قرآن مجید میں بھی ان کی بھول کا تذکرہ فرما دیا گیا، لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے کہ اگر امت محمدیہ کا آدمی بھولنے کے بجائے جان بوجھ کر بھی گناہ کرے تو اللہ رب العزت اس کے جان بوجھ کر گناہ کرنے کی وجہ سے اس کو اپنے دربار سے نہیں نکالتے، بلکہ اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی جسم سے کپڑے اتار کر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دوبارہ اس کو کپڑے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اگر کوئی گھر سے نکل کر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو واپس گھر پہنچا دیتے ہیں۔

◇ بنی اسرائیل میں سے اگر کوئی آدمی چھپ کر گناہ کیا کرتا تھا تو اس کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ فلاں آدمی نے چھپ کر گناہ کیا ہے۔ گویا لوگوں کے سامنے اس کی رسوائی ہوا کرتی تھی، لیکن اللہ رب العزت نے اس گنہگار امت کے ساتھ پردہ پوشی کا معاملہ فرمایا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو چھپ چھپ کر گناہ کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اتنے کریم ہیں کہ پھر بھی لوگوں کی زبانوں سے ان کی تعریفیں کروا

دیتے ہیں۔کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے والے اوراپنے پروردگار کے حکموں کو پسِ پشت ڈالنے والے جو سزا کے مستحق تھے ان پر بھی پروردگار کی طرف سے یہ رحمت ہوئی کہ اللہ رب العزت نے ان کو دنیا کے اندر رسوا کرنے کے بجائے اپنی رحمت کی چادر میں چھپادیا،اس لیے کہ ممکن ہے یہ کسی وقت بھی توبہ کرلے تو یہ میرے اور بندے کے درمیان معاملہ ہے۔میں پروردگار اس کی توبہ کو قبول کرلوں گا۔

◈ جب بنی اسرائیل کے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے فرمایا کہ تم باہر نکلو، میں ایک بادل کے ذریعے اندھیرا کردوں گا، تم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ اپنے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں اوران لوگوں کو ماریں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (تم قتل کرو اپنی جانوں کو)۔تواس وقت توبہ کی قبولیت پر ایسی کڑی شرائط لگائی جاتی تھیں،لیکن امت محمدیہ ﷺ کے لیے پروردگار نے ان سختیوں کو دور فرمادیا۔چنانچہ سو سال کا کافر اور مشرک بھی کوئی ہو، اگر وہ کسی دن اللہ کے حضور بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کرلے تو پروردگار اس کی توبہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

◈ پہلی امتوں کے بارے میں کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ جب ان کے کپڑوں پر ناپاکی لگ جاتی تھی تو انہیں اس کپڑے کو کاٹنا پڑتا تھا،لیکن امت محمدیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی کہ اگر کسی طرح کی ناپاکی بھی جسم کے ساتھ لگے تو اس کو دھونے اور پاک کرنے کے لیے صرف تین چلو پانی کافی ہوجاتا ہے۔اگر کسی کپڑے پر ناپاکی لگے اور وہ اسے تین بار دھولے تو وہ کپڑا اس کے لیے دوبارہ قابل استعمال ہوجائے گا۔

◇ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ تم نے جس عضو سے گناہ کیا، تم اپنے اس عضو کو کاٹو گے تو ہم تمہاری توبہ کو قبول کریں گے، لیکن اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کے لیے اس سختی کو اٹھا لیا اور آسانی فرما دی۔

◇ بنی اسرائیل کے لوگ جب زکوٰۃ دیتے تھے تو ان کو حکم تھا کہ وہ اپنی زکوٰۃ کے مال کو پہاڑ کی چوٹی پر جا کر رکھیں، پھر ایک آگ آئے گی اور اس مال کو جلا دے گی، اگر وہ جل گیا تو تمہاری زکوٰۃ قبول ہو جائے گی، لیکن اگر اس میں کسی کا حرام کا مال ہوتا تو آگ اس کو نہ جلاتی اور پوری قوم کو پتہ چل جاتا کہ کسی کے پاس حرام کا مال ہے۔ بالآخر تفتیش شروع ہوتی اور یوں حرام مال والے کی رسوائی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اس سختی کو دور فرما دیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک بھائی جو امیر ہے، اگر وہ زکوٰۃ نکالنا چاہتا ہے تو وہ اس بھائی کو دے سکتا ہے جو غریب ہے، قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو بھی دے سکتا ہے۔ انسانوں کا مال آگ جلائے اور وہ کسی کے کام نہ آئے، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اس مال کو قابل استعمال بنا دیا۔ اس مال میں اگر اونچ نیچ والا مال بھی ہوا تو وہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے آخرت پر چھوڑ دیا۔ دنیا میں رسوا نہیں فرمایا۔

◇ اللہ رب العزت نے نبی رحمت ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے اس امت کو چند اور خاص نعمتیں بھی عطا فرمائیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے پوری زمین کو مصلیٰ بنا دیا ہے۔ (بخاری، حدیث: ۴۳۸) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میری امت کی شکلوں کو مسخ نہ فرما دینا، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔ جب کہ پہلی امتیں اگر گناہ کرتی

تھیں تو ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا جاتا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ﴾(البقرۃ:٦٥)

''ہم نے ان سے کہا:تم پھٹکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی دعا مانگی کہ اے اللہ!ان پر کوئی ایسا ظالم مسلط نہ کر دینا جو میری پوری امت کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا دے۔اللہ رب العزت نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔پھر آپ ﷺ نے کچھ خاص دعائیں مانگیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری وہ دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں۔مثلاً:

◇ جو آدمی طاعون کی حالت میں مرے گا اسے قیامت کے دن شہیدوں کی قطار میں کھڑا کیا جائے گا۔

◇ جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے گا وہ بھی قیامت کے دن شہیدوں میں شمار کیا جائے گا۔

◇ جو شخص جل کر مرے گا قیامت کے دن وہ بھی شہیدوں میں شامل کیا جائے گا۔

◇ جو شخص مکان گرنے سے دب کر مرے گا یعنی ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اچانک مرے گا اس کو قیامت کے دن شہیدوں میں شامل کر دیا جائے گا،حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بچے کی ولادت کے وقت فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بھی قیامت کے دن شہیدوں میں شامل فرما دیں گے۔(کنز العمال:۴/۲۲۳)

امت کے غم میں نبی اکرم ﷺ کا رونا:

احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب تہجد کی نماز میں تلاوت قرآن مجید فرماتے اور ان آیات میں پہلے والی قوموں کا تذکرہ پڑھتے تو نبی ﷺ کو فوراً اپنی

گنہگار امت کا خیال آتا اور آپ ﷺ ان آیتوں کو پڑھتے ہوئے رو پڑتے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کا حصار:

آپ ﷺ کی ریش مبارک میں چند سفید بال آ گئے تو کسی نے پوچھا: اے اللہ کے محبوب! آپ کے بال مبارک جلدی سفید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سورۃ ھود اور اس طرح کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

(کنز العمال، حدیث: ۱/ ۵۷۳)

تو جب آپ پہلی امتوں کا تذکرہ پڑھتے تو اپنی امت کے بارے میں فکر مند ہو جاتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! میری امت کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمانا۔ یہ دعائیں مانگتے ہوئے آپ ﷺ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی اور سینہ مبارک پر بھی آنسو گرتے اور کبھی کبھی پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ کھانا کھانے کے دوران جب آپ ﷺ کو اپنی امت کا خیال آتا تو آپ ﷺ کھانا چھوڑ دیتے اور امت کے لیے دعا کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی دعاؤں نے اس امت کا چاروں طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے، جو اس امت کی حفاظت کر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں پیدا ہونے کا سبب بن رہی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا خصوصی امتیاز:

یاد رکھنا کہ امت کے غم میں رونے کا تذکرہ ہم نے کتابوں میں پہلے والے انبیاء کے بارے میں نہیں پڑھا۔ امت کے غم میں رونا نبی ﷺ کا ایک امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصی شان ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے غم میں روتے ہوئے "یا

رب امتی... یارب امتی‘‘ فرمایا کرتے تھے۔ پہلے انبیاء کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا کہ اگر ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو انہوں نے بددعائیں کردیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو یہاں تک کہہ دیا:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾

’’اے پروردگار! اس دھرتی پر کافروں کا کوئی ایک گھر بھی باقی نہ چھوڑنا۔‘‘

مگر نبی ﷺ کے لیے کچھ اور ہی معاملہ تھا، آپ ﷺ رات کے وقت اٹھتے اور اپنی گنہگار امت کے لیے دعائیں مانگتے۔

ہر نبی کے لیے ایک دعا کا اختیار:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ایسا اختیار دیا کہ وہ جو بھی دعا مانگیں اس دعا کو اسی طرح قبول کرلیا جائے گا اور انہوں نے وہ دعا مانگ لی، لیکن میں نے اس دعا کو اپنے لیے ذخیرہ بنا دیا ہے۔ اب قیامت کے دن میں وہ دعا مانگوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں کی بخشش کا سبب بن جاؤں گا۔ (ترمذی، حدیث: ۳۶۰۲)

روز محشر امت محمدیہ کی پہچان:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو میں ان کے لیے شفاعت کروں گا۔ اسے ’’شفاعت کبریٰ‘‘ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شفاعت کی وجہ سے ان کو معاف فرما دیں گے۔ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! وہاں تو اتنے انسان اکٹھے ہوں گے، آپ ان میں سے اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے امتیوں کے جو وضو کے اعضا ہوں گے اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن ان کو نورانی بنا دیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ تمام انسانوں میں ممتاز نظر آئیں گے۔ اس طرح میں اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔

(جامع الاصول: ۱۰/ ۴۶۹)

بلا حساب جنت میں داخلہ:

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو بلا حساب کتاب جنت عطا فرمائے گا اور ایسا ہر جنتی اپنے ساتھ ستر ہزار گنہگاروں کو لے کر جنت میں جائے گا۔ مثال کے طور پر: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کے ستر ہزار لوگوں کو بلا حساب جنت ملے گی، پھر ایسے ہر فقیہ کو اپنی پیروی کرنے والے ستر ہزار لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر جنت میں جانے کا موقع ملے گا۔ اگر ستر ہزار کو ستر ہزار سے ضرب دیں تو اس امت کے ایک ارب چالیس کروڑ انسان بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے جب یہ وعدہ ہو گیا تو اللہ کے محبوب ﷺ پھر دعائیں مانگتے رہے کہ اے اللہ! یہ تو صرف اتنے ہی لوگ بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے، ان کے علاوہ اور بھی تو ہوں گے تو پروردگار عالم نے وعدہ فرمایا: اے میرے نبیٔ رحمت! آپ کی دعاؤں کو اور آپ کے رونے کو میں نے قبول کر لیا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں آپ کی امت کے لوگوں میں سے تین لپیں بھر کر جہنم سے نکال دوں گا اور ان کو اپنی رحمت سے جنت عطا کر دوں گا۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ۸/ ۲۵۲)

میراث آدم علیہ السلام سے نبی اکرم ﷺ کا پدری حصہ:

محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تمام انسانوں کی (120) ایک

سوبیس صفیں ہوں گی۔اللہ تعالیٰ ان میں سے (80) اسی صفیں میری امت کی بنائیں گے اور (40) چالیس صفیں باقی انبیاء کی امتوں کی بنیں گی۔

(کنزالعمال، حدیث: ۳۴۵۱۳)

سبحان اللہ: دیکھیں کہ جب باپ کی میراث تقسیم ہوتی ہے تو دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملتا ہے۔اسی طرح جب حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تقسیم ہوئی تو سب انبیاء کو ملنے والا حصہ دختری حصہ بنا اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پدری حصہ ملا۔

روزِ محشر امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو سجدے کا حکم:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت کو سجدہ کرنے کا حکم دے گا۔لہٰذا میرا جو بھی امتی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سجدے کی وجہ سے اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

امت کے غم کی انتہا:

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ جبرئیل علیہ السلام کچھ غمزدہ سے لگ رہے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل! کیا معاملہ ہے کہ میں آج آپ کو غمزدہ دیکھتا ہوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محبوب کل جہاں! میں اللہ کے حکم سے آج جہنم کا نظارہ کر کے آیا ہوں۔اس کو دیکھنے کی وجہ سے میرے اوپر غم کے اثرات ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل! بتاؤ جہنم کے کیا حالات ہیں؟ عرض کیا: اے اللہ کے نبی! جہنم کے اندر سات درجے ہوں گے۔ان میں سے جو سب سے نیچے ہوگا اس کے اندر اللہ تعالیٰ منافقوں کو رکھیں گے۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۴۵)

اس سے اوپر والے (چھٹے) درجے میں اللہ تعالیٰ مشرک لوگوں کو ڈالیں گے۔ اس سے اوپر (پانچویں) درجے میں اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کی پرستش کرنے والوں کو ڈالیں گے۔ چوتھے درجے میں اللہ تعالیٰ آتش پرست لوگوں کو ڈالیں گے۔ اس سے اوپر (تیسرے) درجے میں یہودیوں کو ڈالیں گے۔ دوسرے درجے میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: جبرئیل! آپ خاموش کیوں ہو گئے ہیں؟ بتاؤ کہ پہلے درجے میں کون ہوں گے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! سب سے اوپر والے یعنی پہلے درجے میں اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے گنہگاروں کو ڈالیں گے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا کہ میری امت کے گنہگاروں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غمگین ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حضور دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ تین دن ایسے گزرے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے، نماز پڑھ کر حجرے میں تشریف لے جاتے، حجرہ بند کر لیتے اور حجرے کے اندر پروردگار کے سامنے آہ وزاری میں مشغول ہو جاتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہوتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کیا خاص کیفیت ہے کہ کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتے اور نماز پڑھنے کے بعد حجرے کی تنہائی کو اختیار فرما لیتے ہیں، گھر بھی تشریف نہیں لے جا رہے۔ یہ کیا معاملہ بنا؟

جب تیسرا دن ہوا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ شریفہ کے دروازے پر آئے اور دستک دی اور کہا:

((السلام علیکم، لبیک یا رسول اللہ))

یعنی اے اللہ کے محبوب! میں حاضر ہوں، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور انہوں نے روتے ہوئے جا کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: عمر! آقا (علیہ السلام) نے اس وقت میرے سلام کا جواب عطا نہیں فرمایا، لہٰذا آپ جائیں ممکن ہے کہ آپ کو سلام کا جواب مل جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرہ مبارکہ کے دروازے پر آئے اور انہوں نے بھی اونچی آواز سے تین مرتبہ سلام کیا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب کی آواز اونچی نہ آئی۔ چنانچہ وہ بھی یہی سمجھے کہ ابھی دروازہ کھلنے کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا وہ بھی واپس تشریف لے گئے۔ واپسی پر ان کی ملاقات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: سلمان! آپ کے بارے میں آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ کہ سلمان! تو میرے اہل بیت میں سے ہے۔'' اس لیے آپ جائیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دروازہ کھلنے کا سبب بنا دیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی آ کر سلام کیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا، جب ان سے کہا گیا تو انہوں نے سوچا کہ میں اس کے بارے میں کوئی اور حل کیوں نہ تلاش کروں؟ چنانچہ وہ خود دروازے پر جانے کے بجائے اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تین دن سے ایسی کیفیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے کی تنہائی میں ہیں، جب مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو چہرۂ انور پر غم کے آثار ہوتے ہیں، آنکھیں آبدیدہ محسوس ہوتی ہیں اور کسی سے کلام

بھی نہیں فرماتے، لہٰذا آپ جائیں اور دروازہ کھٹکھٹائیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کی وجہ سے دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے بھی آ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ بالآخر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز پر دروازہ کھولا اور اپنی بیٹی کو اندر بلا لیا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے محبوب! آپ پر یہ کیا کیفیت ہے کہ تین دن سے آپ مجلس میں بھی تشریف فرما نہیں ہوتے، حجرے کی تنہائی کو اختیار کیا ہوا ہے اور چہرۂ انور پر بھی غم کے آثار ہیں؟ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پوری بات بتائی کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ میری امت کے کچھ گنہگار لوگ جہنم میں جائیں گے، فاطمہ! مجھے اپنی امت کے ان گنہگاروں کا غم ہے اور میں اپنے مالک سے فریاد کر رہا ہوں کہ وہ ان کو جہنم کی آگ سے بری فرما دے۔ یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر لمبا سجدہ فرمایا، حتیٰ کہ اس سجدے کے اندر بھی روتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ آ گیا کہ اے محبوب!

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

''اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عطا کر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں۔''

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے، لہٰذا وہ قیامت کے دن مجھے راضی کرے گا اور میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا آخری امتی بھی جنت میں نہیں چلا جائے گا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔

روزِ محشر اولادِ آدم علیہ السلام کی کسمپرسی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سورج دس گنا زیادہ

تیز ہوگا اور ہر آدمی کو یوں محسوس ہوگا کہ سورج زمین سے چند گز کے فاصلے پر ہے۔
(الترغیب والترہیب: ۵۵۰۲)

دھوپ کی سختی کی وجہ سے لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ سات قسم کے آدمیوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مخلوق دھوپ اور پیاس کی وجہ سے تڑپ رہی ہوگی اور کوئی پرسان حال نہیں ہوگا، اسی حالت میں کئی ہزار سال گزر جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

بالآخر سب لوگ پریشان ہو کر حضرت آدم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوں گے اور کہیں گے:

((یَا اَبَانَا! قَدِّمْ مَعَنَا))

''اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے ساتھ آگے قدم بڑھائیے۔''

اور اللہ کے حضور عرض کیجیے کہ اے اللہ! اس سختی کو برداشت کرنا مشکل ہے آپ ہم سے حساب لے لیجیے، تاکہ ہم نے جہاں جانا ہے وہاں جلدی پہنچ جائیں۔ یہ تنگی تو ہماری برداشت سے باہر ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام اس وقت یہ کہتے ہوئے انکار فرما دیں گے کہ نہیں، میں نے بھول کی وجہ سے ایک دانہ کھالیا تھا اور اس دانہ کے کھانے پر میں تین سو سال تک رو رو کر معافیاں مانگتا رہا...... حدیث پاک میں آیا ہے کہ پورے انسانوں کے جتنے آنسو ہیں وہ سارے کے سارے دسواں حصہ ہیں اور نو حصے آنسو حضرت آدم علیہ السلام کے ان تین سو سالوں میں نکلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اتنا روئے اور معافیاں مانگنے کے بعد اور توبہ قبول ہو جانے

کے بعد بالآخر انہوں نے بیت اللہ شریف بنایا، اور تیس حج پیدل چل کر کیے، مگر قیامت کے دن وہ پھر بھی فرمائیں گے کہ نہیں، مجھے اللہ رب العزت کے سامنے جانے میں شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ غور کیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا بھی فیصلہ آچکا ہے، لیکن بندہ اپنے کیے پر پشیمان تو ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن ہمارے جدِ امجد کا یہ حال ہوگا تو ہم لوگ جب اپنے گناہوں کو لے کر جائیں گے اور بغیر توبہ کے مر جائیں گے تو ہمارے لیے قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے کھڑا ہونا کتنا مشکل ہوگا...؟! اسی لیے قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ (الم السجدۃ: ۱۲)

''اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے۔''

جب قیامت کے دن اتنی شرم محسوس ہوگی تو بہتر ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے آج ہی توبہ کر لیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کو کہیں گے کہ آپ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ لہٰذا ساری مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کی تلاش میں لگ جائے گی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام ملیں گے تو مخلوق عرض کرے گی: اے آدمِ ثانی! آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر دیجیے اور ہمیں اللہ کے سامنے پیش کر دیجیے۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کو فرمائیں گے کہ نہیں، میں نے اپنے بیٹے کے لیے ایک دعا کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ''اے نوح! ایسی دعا نہ کیجیے۔'' اس لیے مجھے

تواس فرمان سے ڈر لگتا ہے کہ میں وہ دعا ہی کیوں کر بیٹھا، میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً معافی مانگی تھی، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں ہو سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام عبدالغفار تھا، مگر وہ اس دعا کے مانگنے کے بعد اتنا روئے کہ ان کا نام نوح پڑ گیا۔ نوح کا مطلب ہے نوحہ کرنے والا یعنی رونے والا۔ اتنا رونے کے باوجود قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے جانے سے جب ان کو بھی اتنا ڈر لگے گا تو سوچنا چاہیے کہ ہم تو اپنے گناہوں پہ روتے بھی نہیں، بلکہ جب گناہ کرتے ہیں تو خوشی خوشی دوسروں کو بتاتے ہیں کہ میں نے فلاں گناہ کیا ہے۔ سوچیے تو سہی! کہ قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کیسے پیش ہوں گے....!؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت نوح علیہ السلام سب انسانوں کو فرمائیں گے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ ساری انسانیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ڈھونڈ کر ان سے عرض کرے گی کہ اے اللہ تعالیٰ کے خلیل! آپ ہمیں اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیجیے، لیکن وہ فرمائیں گے کہ نہیں، آج مجھے اللہ رب العزت کے پاس جاتے ہوئے گھبراہٹ ہو رہی ہے، کیونکہ میری زندگی میں تین باتیں ایسی تھیں جو مصلحت کی بنا پر تو ہوئیں، لیکن خلاف واقعہ تھیں، آج مجھے ان تین باتوں پر شرمندگی ہے۔ ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ ان کو ان کی قوم کہیں لے کر جانا چاہتی تھی، مگر انہوں نے کہہ دیا تھا کہ میں بیمار ہوں۔ واقعی ان کافروں اور مشرکوں کے ساتھ جانے میں تو روحانی بیماری ہی تھی۔ اس لیے انہوں نے ان کو عذر پیش کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا:

((اِنِّیْ سَقِیْمٌ)) ''میں بیمار ہوں۔''

انہوں نے یہاں بیماری کا عذر تو کیا، لیکن واقعہ کے خلاف تھا۔ اس لیے فرمائیں گے کہ مجھے اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہونے سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ایک مرتبہ وہ اپنی بیوی حضرت سارہ کو لے کر مصر کے قریب سے گزرے۔ وقت کا بادشاہ ایک ظالم انسان تھا۔ اس نے پولیس والوں کو کہا ہوا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی کسی خوبصورت عورت کو دیکھو تو اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اس طرح وہ اس کی بے حرمتی کر کے گناہ کا مرتکب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی سارہ کو حسن و جمال کا مرقع بنایا تھا۔ چنانچہ پولیس والوں نے جب ان کو دیکھا تو انہیں بھی پکڑ کر لے گئے۔ اس کا دستور یہ تھا کہ اگر اس عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہوتا تو وہ اسے قتل کروا دیتا اور اگر بھائی یا والد ہوتا تو پھر وہ ان کو قتل نہیں کرواتا تھا، البتہ برائی کا مرتکب ہوتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پہنچے تو ان سے بھی اس نے پوچھا کہ تم کون ہو اور اس عورت کے کیا لگتے ہو؟ آپ نے اپنی جان کی حفاظت کے پیش نظر کہہ دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾

''بیشک ایمان والے بھائی ہیں۔''

اس لیے ایمان کی نسبت سے مومن مرد اور مومنہ عورت کو دینی بھائی اور بہن کہہ دیا جاتا ہے۔ آپ نے بھی اسی نسبت سے حضرت سارہ کو بہن کہہ دیا، کیونکہ وہ اسی دین پر تھی جس پر آپ تھے۔ یہ بات سو فیصد شریعت کے مطابق جائز تھی۔

تیسری بات یہ کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تھا۔ جب

کافروں نے آ کر ان سے پوچھا کہ ہمارے خداؤں (بتوں) کو کس نے توڑا؟ تو انہوں نے فرمایا تھا کہ تم اس سے پوچھو جو تمہیں ان بتوں میں سے بڑا نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تھا، اس لیے بڑے بت سے پوچھنے کا فرمایا۔ اب ظاہراً یہ کوئی اتنی بری بات تو نہیں تھی، کافروں کو سمجھانے کے لیے ایسا کیا تھا کہ وہ پوچھیں گے تو بت انہیں جواب نہیں دیں گے، لیکن بات تو حقیقت سے مختلف تھی۔ لہٰذا اس بات پر بھی اتنا افسوس ہوگا کہ اللہ کا خلیل ہونے کے باوجود انہیں اللہ کے سامنے جاتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی ہوگی۔

اس پر ہم لوگ سوچیں! جو دن رات جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں، لوگوں کے سامنے اپنی غلطیوں پر پردے ڈالنے کے لیے اور اپنے آپ کو دنیا کی شرمندگی سے بچانے کے لیے جھوٹی باتیں کرتے پھر رہے ہیں کہ قیامت کے دن ہمیں اللہ رب العزت کے حضور جاتے ہوئے کتنی شرمندگی ہوگی...؟!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ سب لوگ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پاس چلے جائیں، وہ آپ کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ ساری انسانیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے گی اور کہے گی: اے کلیم اللہ! آپ ہماری شفاعت فرما دیجیے، مگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ فرمائیں گے کہ نہیں، میں آپ کی شفاعت کرنے سے قاصر ہوں، کیونکہ ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ میرے مخالفین میں سے ایک آدمی میری اتباع کرنے والے ایک آدمی سے جھگڑ رہا تھا اور میں نے نصیحت کی خاطر اس کو ایک مکا مارا تھا تاکہ اسے سمجھ آ جائے، لیکن اس کو وہ مکا ایسا لگا کہ وہ مر گیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے

معافی مانگی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے میری معافی کا اعلان بھی فرما دیا، مگر پھر بھی وہ میرا مکا لگنے سے مرا تو تھا اس لیے مجھے اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے آج شرم محسوس ہو رہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری انسانیت کو فرمائیں گے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ ساری انسانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے گی، مگر وہ بھی کہیں گے کہ نہیں، مجھے اللہ رب العزت کے سامنے جاتے ہوئے اس لیے ڈر لگ رہا ہے کہ میری امت نے مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیا تھا، آج اللہ تعالیٰ مجھ سے کہیں یہ نہ پوچھ لیں کہ کیا آپ نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ شریک بنا لو؟ اس لیے آج مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۱۰، الترغیب والترہیب: ۴/۲۳۶)

شافع محشر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں درخواست:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کے پاس جائیں۔ چنانچہ سب لوگ نبی ﷺ کے پاس آئیں گے۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کے منبر لگوائیں گے اور تمام انبیائے کرام اپنے اپنے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ نبی ﷺ کے لیے بھی منبر پیش کیا جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ منبر پر نہیں بیٹھیں گے، کیونکہ اس وقت آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ میں اس منبر کے اوپر بیٹھ جاؤں اور یہ اڑ کر جنت میں چلا جائے اور میری امت کے گنہگار پیچھے رہ جائیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا جائے گا: اے میرے محبوب! آپ منبر پر کیوں نہیں بیٹھے؟ آپ ﷺ عرض کریں گے: اے اللہ! میری امت کے گنہگاروں کا تو ابھی فیصلہ نہیں ہوا میں اس منبر پر ابھی کیسے بیٹھوں؟ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے: اے میرے پیارے محبوب! آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں عرض کروں گا: اے اللہ! آپ اپنے بندوں کا حساب لے لیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا تم لوگوں کو حساب کے لیے پیش کرو۔ (الترغیب والترہیب: ۲۴۱/۴)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب:

روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حساب کے لیے کس کو بلایا جائے گا؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: پہلے میں اللہ کے سامنے پیش ہوں گا۔ پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: امت میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حساب لیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشی:

پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جائے گا۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے: اَوَّلُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ (عُمَرُ) ''قیامت کے دن جس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سلام فرمائیں گے وہ عمر ہوں گے۔'' (ابن ماجہ، حدیث: ۱۰۴)

انہوں نے ایسی صاف ستھری زندگی گزاری ہوگی کہ ان کے اعمال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب:

پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تم۔ پوچھا: تو عثمان کا کیا بنے گا؟ فرمایا:

((عُثْمَانُ ذُوْ حَيَاءٍ سَأَلْتُ رَبِّيْ اَنْ لَّا يُوْقِفَهُ لِلْحِسَابِ فَشَفَّعَنِيْ))

''عثمان تو حیا والی شخصیت ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ان کا حساب نہ لیا جائے تو اللہ نے میری درخواست کو قبول فرمالیا۔''

(کنز العمال، حدیث: ۳۶۷۳۱، جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۴۹۷۱)

پل صراط کا سفر:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یار پیش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا جلال اس کے جمال میں تبدیل ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (سورۃ یٰس)

''اے مجرمو! میرے نیک بندوں سے آج جدا ہو جاؤ۔''

لہٰذا کافروں اور مشرکوں کو ایک طرف کر دیا جائے گا اور دوسری طرف نیک بندوں کو کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جہنم کے اوپر بنے ہوئے پل صراط سے گزر کر یہ نیک لوگ جنت میں چلے جائیں۔ چنانچہ جب مومن بندے پل صراط کے اوپر سے گزرنے لگیں گے تو کچھ ایمان والے ایسے بندے ہوں گے جو بجلی کی تیزی کی طرح گزر جائیں گے، کچھ ہوا کی تیزی کی طرح، کچھ گھوڑے کی تیز رفتاری کے ساتھ، کچھ بھاگتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ، کچھ چلتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ اور کچھ رینگتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ گزر جائیں گے۔ جو لوگ

بھی پل صراط سے آگے گزر جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرما دیں گے۔ پل صراط کے اوپر سے ہر ایک کو گزرنا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۞ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ۞﴾ (مریم:۷۱،۷۲)

جو گنہگار ہوں گے وہ کٹ کٹ کر جہنم کے اندر گرتے جائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخلہ:

جب پل صراط سے آگے چلے جائیں گے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیں گے کہ میری امت کے سارے لوگ میرے ساتھ آ گئے ہیں اور جہنم سے پار ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب لوگوں کو لے کر جنت میں تشریف لے جائیں گے، حتیٰ کہ جنت میں رہتے ہوئے بہت عرصہ گزر جائے گا۔

مسلمانوں کو جہنم میں کفار کا طعنہ:

روایت میں آیا ہے کہ جو لوگ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم میں گریں گے انہیں عذاب ہوگا۔ جہنم کے سب سے اوپر کے درجے میں ایمان والے گنہگار ہوں گے۔ جب بہت عرصہ گزر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ان کے اور کافروں مشرکوں کے درمیان کی آگ کو شیشے کے مانند بنا دیں گے۔ کافر اور مشرک جب مسلمان گنہگاروں کو دیکھیں گے کہ وہ بھی جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کو طعنہ دیں گے کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جس کی وجہ سے ہم جل رہے ہیں، لیکن آپ تو خدا کو مانتے تھے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے اور اس کے باوجود آپ بھی ہماری

طرح جل رہے ہو، آپ کا خدا آپ کے کس کام آیا؟

جہنمی مسلمانوں سے جبرئیل امین کی ملاقات:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جہنمی کافر مسلمان گنہگاروں کو طعنہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ اے جبرئیل! آج ہمارے ماننے والوں کو طعنہ دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو رہا ہے جو نہ ماننے والوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جاؤ! ذرا جہنم سے حالات معلوم کر کے آؤ۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام جہنم میں جائیں گے، جہنم کے دروازے پر اس کا داروغہ مالک کھڑا ہوگا، وہ دروازہ کھول کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اندر داخل کرے گا۔ جب گنہگار مسلمان ان کو دیکھیں گے تو وہ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں؟ اس وقت ان کو بتایا جائے گا کہ یہ وہ فرشتے ہیں جو تمہارے پیغمبر علیہ السلام کے پاس وحی لے کر جاتے تھے۔

شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام گنہگاروں کا پیغام:

جب ان کے پاس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کیا جائے گا تو اس وقت گنہگار لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد آئے گی اور وہ کہیں گے:

((وَامُحَمَّدَاہ! وَامُحَمَّدَاہ!))

جہنمی لوگ ان الفاظ میں جبرئیل علیہ السلام کو رو کر کہیں گے کہ اے جبرئیل! آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اللہ کا پیغام لے کر جاتے تھے، آج ہم گنہگاروں کا پیغام بھی ہمارے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا دینا کہ آقا! ہم جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں، ہماری بھی سفارش فرما دیجیے۔ جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ وعدہ کریں گے کہ میں آپ کا پیغام

اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کو ضرور پہنچاؤں گا۔

شفاعت کبریٰ:

چنانچہ جب جبرئیل علیہ السلام جہنم سے باہر آئیں گے تو اللہ رب العزت فرمائیں گے: جبرئیل! آپ نے میرے محبوب ﷺ کے گنہگار امتیوں سے جو وعدہ کیا ہے، اس وعدے کو نبھانا ضروری ہے، لہٰذا جبرئیل علیہ السلام جنت میں جائیں گے۔ اس وقت نبی علیہ السلام جنت الفردوس میں انبیاء کی مجلس میں منبر پر تشریف فرما ہوں گے۔ جبرئیل علیہ السلام کو جب آپ ﷺ دیکھیں گے تو فرمائیں گے: جبرئیل! آج کیسے آنا ہوا؟ جبرئیل علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں آج آپ کی امت کے گنہگاروں کا پیغام آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔ جب نبی ﷺ یہ سنیں گے کہ میری امت کے کچھ گنہگار ابھی بھی جہنم میں ہیں تو آپ ﷺ حیران ہوں گے کہ اچھا! مجھے تو خیال ہی نہیں تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ اسی وقت اللہ رب العزت کے حضور سجدہ فرمائیں گے اور اللہ رب العزت کے سامنے کہیں گے: اے پروردگار! میری امت کے گنہگاروں کو معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ''شفاعت کبریٰ'' کی اجازت فرمائیں گے کہ اے میرے محبوب! آپ جس کے بارے میں چاہیں شفاعت فرمائیے، ہم اس کو جہنم سے نکال دیں گے۔

شفاعت کبریٰ کی یہ خوشخبری سن کر نبی ﷺ جہنم کی طرف چلیں گے۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام ایک اعلان کر دیں گے کہ اے جنتیو! نبی ﷺ جہنمیوں کی شفاعت کے لیے جا رہے ہیں، تم بھی ساتھ چلو۔ چنانچہ اس دولہے کے ساتھ شفاعت کرنے کے لیے ایک بارات چلے گی۔ نبی ﷺ شفاعت فرمائیں گے، دیگر انبیائے کرام بھی شفاعت فرمائیں گے، سارے جنتی شفاعت فرمائیں گے، جس کا جو بھی واقف ہوگا ہر

اس بندے کو جہنم سے نکال لیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر کسی نے دنیا میں کسی مومن کو ایک پیالہ پانی پلایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے اس کو بھی جہنم سے نکال لیں گے۔

عتقاء الرحمن:

جب سب لوگ شفاعت کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے پیارے محبوب! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی امت کے تین لپ بھر کر جہنم سے نکالوں گا۔ چنانچہ اللہ رب العزت اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے جہنم سے تین لپ بھر کر نکالیں گے۔ یعنی جیسے آدمی دونوں ہاتھوں سے آٹا نکال لیتا ہے اس لپ میں اس امت کے کھرب ہا کھرب لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جہنم سے نکال دیں گے۔

ان کے جسم جل جل کر کوئلے کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو ''نہر حیات'' سے غسل دیا جائے۔ چنانچہ جب ان کو غسل دیا جائے گا تو ان کے جسم ٹھیک ہو جائیں گے، لیکن ان کے ماتھے پر ''عتقاء الرحمن'' کا نام لکھ دیا جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمن نے اپنی رحمت سے ان کی بخشش کر دی ہے۔ اس کے بعد ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اب نبی ﷺ کی امت کا کوئی گنہگار بھی پیچھے نہیں رہے گا، سب کے سب بخش دیے جائیں گے۔

عتقاء الرحمن کی فریاد:

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب یہ لوگ جنت میں زندگی گزارنے لگیں گے تو وہ جنتی جو پہلے سے جنت میں ہوں گے جب ان کو دیکھیں گے تو مذاق کیا کریں گے اور کہیں

گے کہ دیکھو! ہم پر تو اللہ کی رحمت ہوگئی اور اس نے ہمارے عملوں کو قبول فرمالیا، لیکن آپ لوگ تو رعایتی پاس ہیں، آپ کے ماتھے پر تو عتقاء الرحمن کا نام لکھا ہوا ہے، ان جنتیوں کے ساتھ پہلے والے جنتی اس طرح سے خوش مزاجی کریں گے۔ جن جنتیوں کے ماتھوں پر عتقاء الرحمن لکھا ہوگا ان کو یہ بات محسوس ہوگی، لہٰذا ایک مرتبہ وہ سب جنتی اللہ رب العزت کے حضور دعا کریں گے کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں جہنم سے نجات تو دے دی، لیکن ماتھے پر ایک مہر بھی لگادی۔ جس کی وجہ سے سب پہچان رہے ہیں کہ ہم خود اس قابل نہیں تھے، بلکہ رعایتی پاس ہو کر آ گئے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اس سے بچا لیجیے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فریاد کو قبول کریں گے اور فرمائیں گے کہ ہم نے خود یہ مہر لگائی تھی، تاکہ تمہارے اپنے دل میں یہ کیفیت پیدا ہو اور تم ہم سے مانگو اور ہم تمہیں عطا کر دیں۔ چنانچہ ان کی فریاد پر اللہ رب العزت ان کے ماتھوں سے عتقاء الرحمن کی اس مہر کو بھی ہٹا دیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۸۷، تفسیر مظہری: ۱۰/۴۰)

شفاعت کی دعا:

محترم جماعت! کاش کہ ہم بھی ان رعایتی پاس لوگوں میں قیامت کے دن شمار ہو جائیں۔ اپنے عمل تو اس قابل نہیں ہیں، مگر اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے، دوسرے انبیاء کی شفاعت، اللہ کے نیک بندوں کی شفاعت نصیب ہو جائے، کاش کہ اللہ کا کوئی ایسا نیک بندہ ہو جو دنیا میں ہمیں بھی پہچاننے والا ہو۔ ہم بھی کسی کی پہچان میں آنے والے بن جائیں جو قیامت کے دن ہمیں جہنم میں جلتا دیکھے تو اتنا تو کہہ دے کہ اے اللہ! یہ مجھ سے تعلق رکھنے والا تھا، یہ میری عزت کرتا تھا اور میرے ساتھ رابطہ رکھنے والا تھا کاش کہ کوئی ایسا کہہ کر ہمیں بھی

جہنم سے نکالنے والا بن جائے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اپنی رحمت سے قیامت کے دن ان رعایتی پاس لوگوں میں شامل فرمالے۔ ہمارے اپنے اعمال تو اس قابل نہیں، البتہ اللہ رب العزت کی رحمت ہی کا سہارا ہے اور محبوب ﷺ کو جو اللہ رب العزت نے رحمۃ للعالمین بنادیا، دل میں تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی رحمت ﷺ کے صدقے ہمیں شرمندہ ہونے والوں میں شامل نہ فرمائے، بلکہ ہمیں اپنی رحمت میں سے حصہ پانے والوں میں شامل فرمادے۔ آمین ثم آمین!

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

امن کے پیامبر

امن کے پیامبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ (اٰلِ عمران:۱۹)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

امن کی متلاشی دنیا:

آج کی (Most Modern Scientific) جدید سائنسی دنیا میں ہر انسان امن کا متلاشی ہے۔ شہروں میں امن کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سلامتی کونسلیں بنی ہوئی ہیں، جو امن کے پلان اور قواعد وضوابط بناتی رہتی ہیں۔ اور جو دنیا میں سب سے زیادہ امن کے لیے Struggle (کوشش) کرتا ہے اس کو عالمی سطح پر امن کا نوبل پرائز ملتا ہے۔

دین اسلام میں امن کی اہمیت:

یہ امن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، قرآن مجید میں ایک بستی کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾ (النحل:١١٢)

''اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی۔''

تو یہ اللہ رب العزت کی نعمت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کو بنانے کے بعد دعا مانگی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ (ابراہیم:٣٥)

''اے اللہ! اس شہر کو امن والا بنا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے قریش کے اوپر جو احسانات فرمائے ان میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش:٤)

معلوم ہوتا ہے کہ امن اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دینِ اسلام فتنہ اور فساد کو ناپسند کرتا ہے، چنانچہ واضح الفاظ میں کہا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرة:٢١٧)

''اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند فرماتے ہیں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرة:٢١٧)

''فتنہ تو بندے کو قتل کرنے سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔''

نبی علیہ السلام نے مؤمن کی Definition (تعریف) فرمائی:

((اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ))

(ترمذی، حدیث:٢٦٢٧ باب ماجاء فی ان المسلم الخ)

''مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کی مال اور جانیں امن میں ہوں۔''

قیامِ امن کے دو پہلو:

اب امن کیسے قائم ہو؟ اس کی دو Diamentions (پہلو) ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ With in the State (ملک کے اندر) امن کیسے قائم ہو؟

(۲) دوسری یہ کہ ممالک اور اقوام کے ساتھ کیسے امن سے رہا جائے؟

ملکی سطح پر امن

امن کی پہلی Diamentions یہ ہے کہ ملک کے اندر ایسے اصول وضوابط ہوں کہ سارے لوگ پر امن ہو کر زندگی گزاریں۔ اس کے لیے دین اسلام نے چند سنہری اصول بتا دیے۔

(۱) چار چیزوں کی ضمانت:

سب سے پہلی بات یہ کہ اسلامی قوانین میں چار بنیادی چیزوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔ ہر فرد کی جان، مال، عزت اور عقل محفوظ ہو۔ چار چیزوں کی گارنٹی دی۔ اس لیے کہ جب جان، مال، عزت اور عقل محفوظ ہو گی تو نہ جھگڑے ہوں گے نہ فساد۔ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں۔

جان کا تحفظ:

شریعت نے کہا کہ جو انسان کسی کو قتل کرتا ہے......

﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (المائدة:۳۲)

''ایسے جیسے اس نے پورے انسانوں کو قتل کر دیا۔''

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جتنا غصے کا اظہار اس گناہ کے اوپر فرمایا ہے، پورے قرآن میں دوسرا کوئی ایسا موقع نظر نہیں آتا کہ اللہ رب العزت نے اتنے غصے کا اظہار فرمایا ہو۔ ذرا قرآن مجید کی آیت سنیے! فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾

''جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے۔''

جو Intentialy (ارادے کے ساتھ) کسی بندے کو قتل کرے، اس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہیں تک بات ہوتی تو بہت زیادہ تھی کہ وہ بندہ جہنمی ہے، مگر مزید فرمایا:

﴿خَالِدًا فِيْهَا﴾ ''ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔''

یعنی ایک لمبی مدت اس کو عذاب ہوگا۔ اتنی بات ہوتی تو بھی کافی تھا، مگر آگے فرمایا:

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ﴾ ''اللہ کا اس پر غضب ہوگا۔''

پھر یہاں بھی بات ختم نہیں ہوئی، بلکہ فرمایا:

﴿وَلَعَنَهٗ﴾ ''اللہ کی لعنتیں اس کے اوپر ہوں گی۔''

پھر یہاں بھی بات ختم نہیں ہوئی، فرمایا:

﴿وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النسآء:۹۳)

''اور اس کے لیے اللہ نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

تو اندازہ لگائیں کہ شریعت نے قتل کو کس قدر ناپسند کیا، تا کہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں۔

مال کا تحفظ:

اسی طرح مال محفوظ ہو، چنانچہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی جو سخت سزا دی گئی وہ اسی لیے کہ دوسری مرتبہ کوئی کسی کے مال کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھا سکے۔ تو دین اسلام میں انسان کے مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔

عزت کا تحفظ:

اسی طرح شریعت نے عزت کا تحفظ کیا۔ چنانچہ زنا کی سزا اسی لیے سخت رکھی گئی، کوڑے لگانے کا حکم دیا، رجم کا حکم دیا گیا، تاکہ اس گناہ سے بچا جائے۔ تو جان، مال اور عزت محفوظ۔

عقل کا تحفظ:

اگر یہ سب چیزیں محفوظ ہوں لیکن عقل محفوظ نہ ہو تو پھر بھی مصیبت ہوتی ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ جتنی چیزیں تمہاری عقل کو ماؤف کرتی ہیں، ساری کی ساری نشہ آور چیزیں تمہارے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ شراب کو اس لیے حرام قرار دیا کہ بندہ اپنے ہوش میں نہیں رہتا۔ اور جب وہ ہوش میں نہیں تو وہ جانوروں کی طرح ہے۔ تو شریعت نے Make Sure (ضمانت) دی کہ ہر بندے کی جان، مال، عزت اور عقل محفوظ ہو، جب یہ چیزیں محفوظ ہونگی تو انسان پرسکون ہوگا۔

(۲) دین کی آزادی:

دوسرا پوائنٹ شریعت نے بتایا کہ ہر بندے کو اپنے دین کے بارے میں آزادی

ہے، اس میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔فرمایا:

﴿لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾ (البقرة:۲۵۶)

''دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔''

یہ نہیں کہ زبردستی لوگوں کو مسلمان بناؤ۔ یہ ہر بندے کی اپنی Choice ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب!

﴿لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ﴾ (الغاشیة:۲۲)

''آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لیے مقرر نہیں کیا گیا۔''

تو مذہبی رواداری یہ ہے کہ تم اپنے دین پر عمل کرو۔ دوسروں کو خوش اخلاقی سے دعوت دو، لیکن اگر کوئی نہیں آتا تو اسے اپنے دین پر رہنے کی پوری اجازت ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس:۹۹)

''تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے تا کہ وہ سب مومن بن جائیں؟''

(۳) مساوات:

اس کے بعد تیسری چیز ہوتی ہے مساوات، کہ سب انسان برابر ہیں۔ جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے تو وہ پھر ہارٹ برننگ کا سبب بنتی ہے اور فتنہ فساد ہوتا ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ دیکھو! سب گورے کالے عربی عجمی ایک ہیں۔

﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا اور تم میں خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تمہاری پہچان ہو سکے، بے شک تم میں اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

(۴) عصبیت:

اس کے بعد چوتھی چیز عصبیت ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی جھگڑے فساد کا ذریعہ بنتی ہے۔ میں اس علاقے سے ہوں، میں اس قبیلے سے ہوں، میں فلاں ہوں، شریعت نے عصبیت کو اتنا ناپسند کیا کہ حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَیسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ))

''جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے ہی نہیں ہے۔''

گویا دینِ اسلام سے یہ خارج ہے۔

((وَ لَیسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَ لَیسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ))

(ابوداود، رقم: ۵۱۲۳ باب فی العصبیۃ)

''وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی وجہ سے قتال کیا اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی وجہ سے مارا گیا۔''

(۵) گروہ بندی:

اگلی چیز ہے گروہ بندی، یہ بھی کبھی کبھی انسان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے فساد کا سبب بنتی ہے۔ شریعت نے حکم دیا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''

اسی طرح حدیث پاک میں آیا:

اگر حبشی بھی امیر بنا دیا جائے تو تم پر لازم ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو۔

(کنز العمال، حدیث: ۱۴۳۷۶)

اور فرمایا:

تم جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۱۴۵)

((مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ)) (المستدرک للحاکم، حدیث:۳۹۱)

''جو جماعت سے ہٹے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔''

(۶) انصاف:

پھر ایک چیز ہوتی ہے انصاف۔ اگر انصاف ملے تو لوگ مطمئن ہوتے ہیں اور اگر انصاف نہ ملے تو لوگوں کے دلوں کے اندر کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شریعت نے انصاف کو اتنا پروموٹ کیا کہ فرمایا:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدة:۸)

''انصاف اپناؤ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''کفر سے تو حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم سے حکومت نہیں چل سکتی۔''

تو ظلم سے شریعت نے منع کیا۔ اس معاملے میں صرف ایک حدیث مبارکہ سنیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُعِيْنَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ))

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۴۰۰۲)

''جو بندہ کسی ظالم کے ساتھ چلا، تا کہ اس کو تقویت پہنچائے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، پس وہ دین اسلام سے خارج ہو گیا۔''

ظالم کا مددگار دینِ اسلام سے ہی خارج ہو گیا۔ شریعت نے انصاف کو اتنا پسند

فرمایا۔ چنانچہ ان اصولوں کا اگر خیال رکھا جائے تو پورا معاشرہ اس قدر سکون اور محبت کا معاشرہ بن جاتا ہے کہ دنیا ہی میں جنت کے مزے آنے لگتے ہیں۔

دوسری اقوام کے ساتھ امن

دوسری Diamention (پہلو) یہ ہے کہ ملک کے اندر لوگ مطمئن رہنا چاہتے ہیں، مگر دوسرے ممالک اور قومیں سکون سے نہیں رہنے دیتیں۔ تو شریعت نے اس کی Guidance (رہنمائی) دی ہے۔

(۱) احترامِ انسانیت:

سب سے پہلی بات شریعت نے یہ کہی کہ دیکھو! تم اپنے اندر احترامِ انسانیت پیدا کرو۔ صرف یہ نہیں کہ مسلمان کا اکرام کرنا ہے، بلکہ بحیثیت انسان بھی تم دوسرے کا احترام کرو! چنانچہ نبی علیہ السلام کے سامنے سے ایک جنازہ لے جایا گیا تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ اللہ کے محبوب! یہ تو یہودی ہے۔ فرمایا:

((اَلَیسَتْ نَفْسًا؟)) (صحیح بخاری، حدیث: ۱۳۱۲)

''کیا یہ انسانی جان نہیں ہے؟''

تو معلوم ہوا کہ ایک انسان کی جان کا بھی اللہ کے حبیب ﷺ نے اکرام فرمایا۔

(۲) صلح پسندی:

دوسری چیز ہوتی ہے صلح پسندی، قرآن مجید میں رولنگ دے دی کہ

﴿وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۱۲۸)

''صلح ہمیشہ خیر کا باعث بنتی ہے۔''

تو مومن صلح پسند ہوتا ہے۔

(۳) درگزر:

پھر تیسری چیز بتادی کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی بھی کرے تو تم درگزر سے کام لو، برداشت کرلو۔ فرمایا:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ:۴۰)

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے، مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کردے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ (النحل:۱۲۶)

''اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی۔ اور اگر صبر ہی کرلو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔''

(۴) مضبوط دفاع:

اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر کوئی بالفرض تمہارے اوپر چڑھ دوڑتا ہے تو ایسے معاملے میں تم اس کے اوپر سینہ سپر ہو جاؤ۔ کیوں کہ کوئی تمہیں امن سے نہیں رہنے دیتا، یہ دفاع تمہارا بنیادی حق ہے، لیکن اگر تم غالب آجاؤ تو اشتعال انگیز کام مت کرنا۔ اس

جھگڑے میں بھی چند باتوں کا خیال رکھنا کہ بوڑھوں کو، بچوں کو، عورتوں کو، معذور لوگوں کو تم قتل نہیں کر سکتے۔ جو گوشہ نشین راہب ہوں ان کو قتل نہیں کر سکتے، تم لوگوں کی عبادت گاہوں میں جا کر خون خرابہ نہیں کر سکتے، مقتول کا چہرہ نہیں بگاڑ سکتے، ان کے اعضاء کو نہیں کاٹ سکتے، تو معلوم ہوا کہ شریعت دفاع کی حد تک اگرچہ اجازت دیتی ہے مگر پھر بھی کہتی ہے کہ تمہارا معاملہ انسانوں والا ہونا چاہیے، جانوروں اور درندوں والا نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس کے لیے شریعت نے ایک پوائنٹ بتا دیا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:٦٠)

''اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو۔''

دوسروں کے دخل اندازی سے بچنے کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے کہ اپنے آپ کو دفاع کے اعتبار سے اتنا مضبوط کر لو کہ کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے بھی نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ قرآن مجید کا کیا یہ خوبصورت اصول ہے کہ زیادتی نہ کرو مگر اتنے بھی کمزور نہ بنو کہ لوگ تم پر چڑھ دوڑیں!! لہٰذا تم اپنے آپ کو مضبوط رکھو۔ چنانچہ اگر ان دونوں چیزوں کا خیال رکھیں تو ملک میں داخلی طور پر بھی امن رہتا ہے اور خارجی طور پر بھی امن ہو جاتا ہے۔

قیامِ امن اسوۂ رسول ﷺ کے آئینے میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ان اصولوں کے ذریعے جزیرۂ عرب کے اندر امن کیسے قائم کر دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جو

زمانہ جاہلیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس کو اسلام کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ کیسے درندہ صفت لوگ تھے جن لوگوں میں اللہ کے حبیب ﷺ تشریف لائے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے لیے ایک بہت Dificult Assignment (مشکل کام) تھا، مگر آپ شروع سے امن پسندی لے کر دنیا میں تشریف لائے۔

حلف الفضول کا معاہدہ:

چنانچہ نبی ﷺ کی شادی سے پہلے ایک ''حلف الفضول'' کے نام سے ایک امن معاہدہ ہوا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس میں خود شرکت فرمائی۔

صبر کی انتہا:

ہاں! جب آپ نے نبوت کا اظہار فرمایا تو قریشِ مکہ جو آپ کو صادق اور امین کہتے تھے، امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے، جو اپنے فیصلوں کے لیے آپ کو حکم بناتے تھے وہی دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے تیرہ سال اللہ کے حبیب ﷺ کو تکالیف پہنچائیں۔ صبر کی انتہا دیکھیے کہ تیرہ سال کوئی Reaction (ردِعمل) نہیں دکھایا۔ اگر چاہتے تو ری ایکشن دکھا سکتے تھے۔ تیرہ سالہ مکی زندگی میں اللہ کے حبیب ﷺ نے فقط تکالیف کو برداشت کیا، One Way (یک طرفہ) طور پر ہر تکلیف کو برداشت کیا اور فقط صبر کر کے دکھایا۔ اس میں ہمارے لیے سبق تھا کہ دیکھو! تمہارے لیے بھی کبھی ناگوار حالات آ سکتے ہیں اور تمہیں بھی اسی طرح اگر صبر کرنا پڑے تو اس صبر میں اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی، حتی کہ اللہ کے حبیب ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مشرکینِ مکہ کے دلوں کا غیظ و غضب ٹھنڈا ہو جاتا کہ ایک

بندہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا، چار سو میل دور جا کر اس نے اپنے ٹھکانے بنا لیے۔ چلو بھئی! اس کی اپنی زندگی، ہماری اپنی زندگی، مگر نہیں! ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

مدینہ طیبہ میں معاہداتِ امن:

اللہ کے حبیب ﷺ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں آپ کو اختیار ملا کہ آپ جو پالیسی بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے چند Step (اقدامات) لیے۔ اس مجلس میں بہت لکھے پڑھے لوگ ہوں گے، بزنس مین ہوں گے، Experience Personality (تجربہ کار شخصیات) ہوں گی، پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں گے، ذرا طالبِ علم بن کر سوچیے گا کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے آخر اس ٹاسک کو کیسے پورا کیا؟

(۱) مواخاتِ مدینہ:

پہلی بات: جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو پہلا کام یہ کیا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا، بھائی چارے کا ایسا تعلق جوڑا کہ تاریخِ انسانیت بھائی بھائی بننے کی ایسی مثال کبھی پیش نہیں کر سکی۔

(۲) دیگر قبائل سے امن کے معاہدے:

پھر دوسرا اسٹیپ اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ لیا کہ جو ارد گرد کے قبائل تھے ان کے ساتھ امن معاہدہ کیا کہ ہم آپس میں مل کر رہیں گے اور ظلم کے خلاف ہم ایک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ اس دور کا بین الاقوامی معاہدہ تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے معاہدہ لکھا:

((هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَ يَثْرِبَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَ جَاهَدَ مَعَهُمْ اِنَّهُمْ اُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ))

(سیرت ابن ہشام: ۳/ ۳۲، الروض الانف: ۲/ ۳۴۵)

''یہ عہد نامہ اللہ کے نبی محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے قریش اور یثرب کے مسلمانوں اور ان لوگوں کے مابین جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر امن قائم کرنے کی کوشش کریں کہ ہم سب ایک امت ہیں۔''

کیا خوبصورت الفاظ ہیں!

پھر فرمایا:

((وَاِنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ))

''اور قبیلہ بنو عوف کے یہودی بھی مسلمانوں کی ایک قوم شمار ہوں گے۔''

((وَ اِنَّ بَيْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِيْحَةَ وَ الْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَأْثَمِ امْرُؤٌ بِحَلِيْفِهٖ وَاِنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ))

(سیرت ابن ہشام: ۳/ ۳۴، الروض الانف: ۲/ ۳۴۵)

''اور ان سب کے درمیان خیر خواہی اور نیکی کا پرچار کیا جائے گا اور کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ بدعہدی نہیں کرے گا اور مظلوم کی مدد اور معاونت کی جائے گی۔''

(۳) دُور کے قبائل سے معاہدے:

پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک تیسرا اسٹیپ لیا اور اپنے کام کو وسیع کیا کہ جو ذرا دور کے قبائل تھے ان کو بھی اس معاہدے میں شامل فرمایا۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے سال ''ودّان'' مکہ مدینہ کے درمیان ایک علاقہ ہے، اس میں قبیلہ بنی حمزہ تھا۔ اللہ کے

نبی ﷺ سفر کر کے گئے اور ان کو Convince (قائل) کر کے ان کو بھی معاہدہ پر دستخط کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر ہجرت کے دوسرے سال "کوہِ بواط" کے لوگوں کو شریک معاہدہ کیا، پھر بنو مدلج کے لوگوں کو شریک معاہدہ کیا، تو گویا اللہ کے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ سارے لوگ امن کے معاہدے پر جمع ہو جائیں اور پرسکون ہو کر اپنے رب کی عبادت کریں۔

نبی علیہ السلام کی دفاعی سٹریٹجی

لیکن قریشِ مکہ کے غیظ وغضب کا حال عجیب تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ اپنی جگہ پر کیوں خوش ہیں؟ چنانچہ انہوں نے ان مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہیں رہنے دیا اور کئی جنگیں پیش آئیں، ان کا بہت ہی مختصر سا تذکرہ کرتے ہوئے یہ عاجز اپنے نتیجے کی طرف آگے بڑھتا ہے۔

غزوۂ بدر:

سب سے پہلے تو بدر کے اندر پہلی جنگ ہوئی مگر وہ بھی قریشِ مکہ چل کر گئے۔ بدر مدینہ سے قریب ہے، مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اللہ کی شان کہ ستر بندے کفار کے قتل ہوئے اور ستر بندے قید ہوئے۔ اب اگر جوشِ انتقام دکھانا ہوتا تو ان ستر قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا، مگر نہیں! اللہ کے حبیب ﷺ یہ جانتے تھے کہ اگر ناپاک چیز کو پاک کرنا ہو تو وہ پیشاب سے پاک نہیں ہوتی، پانی سے پاک ہوتی ہے، پاک چیز سے پاک ہوتی ہے۔ اگر آپ برائی کو جڑ سے ختم کرنا چاہتے ہیں جیسے عداوت کو، دشمنی کو اور نفرتوں کو، تو آپ کو برائی کے بدلے اچھائی دکھانی پڑے گی، چنانچہ فدیہ لے کر ان کو

آزاد کر دیا۔ جن کے پاس پیسے نہیں تھے ان کو کہا کہ چند مسلمانوں کو پڑھا دو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے۔ تو کیا کوئی جنگی قیدیوں کو اس طرح آزاد کرتا ہے؟ مگر اس عفو و درگزر میں بھی بڑی حکمت تھی۔

غزوۂ احد:

پھر اگلے سال ان قریش نے دوبارہ حملہ کیا۔ تین ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا، اللہ کے حبیب ﷺ کو زخم بھی آئے۔ لوگوں نے بھی کہا کہ اے اللہ کے حبیب! ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا، وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً)) (صحیح مسلم، رقم: ۴۷۰۴)

''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔''

؎ جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

غزوۂ خندق:

پھر قریش نے ایک Third Attempt (تیسری کوشش) کی۔ غزوۂ خندق کے نام سے ایک جنگ ہوئی جس میں مسلمان محصور ہو گئے۔ ایک مہینہ محاصرہ رہا اور اللہ کی شان کہ وہ لوگ کسی کنفرم گراؤنڈ کے اوپر تو آئے نہیں تھے، ان میں آپس میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ (الاحزاب:۵۲)

چنانچہ وہ واپس آ گئے۔ اب Basicaly (بنیادی طور پر) اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو تھکا دیا تھا۔ وہ لوگ اب مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مجتمع نہیں تھے، چنانچہ واپس آ گئے۔

صلح حدیبیہ...... فتح مبین:

اللہ کے حبیب ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں عمرہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے عمرے کا ارادہ فرما لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حدیبیہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں پہنچ کر قریش نے ایک بندہ بھیجا کہ جی ہم تو آپ سے لڑیں گے، ہم تو آپ کو نہیں آنے دیں گے۔ انہیں بتایا کہ بھئی! جانور ہمارے ساتھ ہیں، ہم عبادت کی نیت سے آ رہے ہیں، ہمیں عبادت کرنے دو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اب نبی ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ یہ لڑنے کی حالت میں تو نہیں، تھک گئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ بہترین موقع ہے کہ ان کو کسی معاہدے کے اوپر پابند کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ دس سال جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لو۔ وہ بھی تھکے ہوئے تھے، کہنے لگے: اچھا ہم تیار ہیں۔

اب انہوں نے اپنے نمائندے بھیجے، نمائندوں نے عجیب و غریب شرطیں رکھیں کہ مسلمان اگر کافر ہو گا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے، کافر مسلمان ہو گا تو مسلمان اسے واپس کریں گے۔ کیسی عجیب شرط ہے! بھئی! نظر آتا ہے کہ برابری کی بنیاد پہ تو معاہدہ ہو ہی نہیں رہا۔ دوسری بات یہ کہ مسلمان اس سال عمرہ نہیں کریں گے، واپس چلے جائیں گے، اگلے سال بیشک آ کر عمرہ کر لیں۔

اور تیسری شرط یہ کہ جو قبیلہ جس کے ساتھ معاہدہ کر کے رہنا چاہے گا اس کو اجازت ہوگی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ صلح نامہ منظور کرلیا، اس کو "صلح حدیبیہ" کہتے ہیں۔ اور رب کریم نے اس کو "فتح مبین" فرمایا۔ ظاہر میں کیا نظر آتا ہے؟ کہ دب گئے ہیں، لیکن قیادت کو اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک Message (پیغام) دیا کہ دیکھو! آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے فیصلے کرنا اچھی لیڈرشپ کی روایت ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے صلح کر لی، پھر واپس تشریف لے آئے اور دین کی دعوت کا کام شروع ہوا۔

عجیب قوت تعمیر تھی ایسی خس و خاشاک میں
آندھیاں چلتی رہیں اور آشیاں بنتے رہے

نبی علیہ السلام کی Attacking (حملہ) سٹریٹجی

فتح مکہ کی پر امن حکمتِ عملی:

دعوت بھی چلتی رہی، دین بھی پھیلتا رہا، حتی کہ دو سال نہیں گزرے تھے کہ قریشِ مکہ نے صلح کی خلاف ورزی کی۔ ایک قبیلے کا ناجائز ساتھ دیا۔ وہ مسلمان جو غزوۂ خندق میں تین ہزار تھے، ان دو سالوں میں یہ پیغام اتنا Wide Spread (پھیل) چکا تھا کہ اب وہ دس ہزار بن چکے تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اب Step (قدم) لیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر خرابی کی ہے، اس لیے آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ اب کافروں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ جنگ کر سکیں۔ تو دیکھیے!

اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو کس طرح Cool Down (ٹھنڈا) کیا۔ کیوں کہ اگر دوسرے بندے کو کمزور دیکھ کر انتقام لے بھی لیا جائے تو اگر چہ وہ کچھ نہیں کر سکتا، لیکن اس کی Heart Burning (دل کی آگ) تو رہتی ہے۔ تو آج نہیں تو کل اپنا ری ایکشن شو کرے گا، لیکن اللہ کے حبیب ﷺ اس کو تو ختم ہی کروانا چاہتے تھے۔

چنانچہ دیکھیے! جب وہاں تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمان فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اب قریشِ مکہ پریشان تھے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ وہ سمجھتے تھے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے گا، عزتیں لوٹ لی جائیں گی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا۔ انتہا دیکھیے! کہ داخل ہونے سے پہلے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرما دیا کہ جو آدمی گھر کے اندر بیٹھا رہے گا اس کو معافی، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو معافی، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی معافی، اور جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی معافی۔ جو اپنے ہتھیار پھینک دے اس کو بھی معافی۔ جو زخمی ہوگا اسے ہم قتل نہیں کریں گے، اگر کوئی بھاگے گا تو ہم اس کا تعاقب نہیں کریں گے اور کوئی اسیر ہوگا تو ہم اس کو قتل نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ خون نہیں بہانا چاہتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ صلح کے ساتھ اب ہمارے ساتھ رہیں، مل کر رہنے لگ جائیں۔ وہ اپنی زندگی گزاریں اور ہم اپنے دین پر زندگی گزاریں، پھر ایسا ہی ہوا۔

دلوں کی فتح:

چنانچہ اگلے دن عرب کے بڑے بڑے سردار معافی مانگنے کے لیے آئے، ابوجہل کا نوجوان بیٹا عکرمہ آیا، اس سے بدلہ لینے کا کتنا اچھا موقع تھا! کسی نے آ کر کہا کہ اللہ

کے نبی! عکرمہ آیا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: اے مہاجر سوار! تیرا آنا مبارک۔

پھر اس کے بعد حبار بن اسود آیا۔ یہ وہ تھا جس نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ تکلیف پہنچائی تھی اور اسی زخم کے اندر بالآخر ان کی وفات ہوئی تھی۔ بیٹی کے قاتل کو دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو بھی معاف فرما دیا۔

پھر ہندہ آئی، جو آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قاتلہ تھی، ان کا سینہ کھولا، دل نکالا اور اس نے چبایا تھا۔ اس نے معافی مانگی، اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ وحشی آیا، اس کو بھی اللہ کے حبیب ﷺ نے معاف کر دیا۔

مکہ مکرمہ کا ایک اسلحہ ڈیلر تھا، اس کا نام تھا صفوان بن امیہ۔ یہ نبی ﷺ کو شہید کروانے کی ایک Attempt (کوشش) بھی کر چکا تھا اور سازشوں میں بھی شریک تھا۔ جب مکہ فتح ہونے لگا تھا تو یہ بھاگ گیا تھا۔ تو اس کے ایک ساتھی نے کہا: جی اس کو معاف کر دیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: اچھا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ جی میں اگر اس کو جا کر بتاؤں گا تو میرے پاس کیا پروف ہے؟ حیران ہوتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنا عمامہ اتار کر دیا کہ یہ اس کو ثبوت کے طور پر پیش کر دینا۔

پھر دیکھیے! ایک شخص تھے عثمان، ان کے پاس بیت اللہ کی چابی تھی۔ نبی ﷺ ہجرت فرما کر جانے لگے تو آپ نے اسے فرمایا کہ بیت اللہ کھولو! میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے گھر میں داخل ہو کر عبادت کروں۔ تو اس نے ناں کر دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان! ایک وقت آئے گا کہ جس پوزیشن پر تم کھڑے ہو اس پر میں ہوں گا اور

جس پر میں ہوں اس پر تم کھڑے ہو گے۔آپ ﷺ نے اس کو بلوایا، چابی لی، دروازہ کھلوایا، عبادت کی، جب باہر نکلے صحابہ رضی اللہ عنہم توقع کر رہے تھے کہ اب یہ چابی ہمیں مل جائے گی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے عثمان کو بلایا اور فرمایا: عثمان! اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں یہ Words (الفاظ) دیے تھے۔ میرے اللہ نے وعدہ سچ کر دکھایا، آج کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور تمہارے ہاتھ خالی ہیں، مگر عثمان! جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا۔ میں یہ چابی تمہیں دیتا ہوں، یہ قیامت تک تمہاری نسل میں رہے گی۔ (درمنثور: ۴/ ۴۹۵)

عثمان اسلام قبول کر لیتا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے عفو و درگزر کے ذریعے ان کے دل جیتے تھے، اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو Win over (فتح) فرما لیا۔ آج Crisis Management سیکھنی ہے تو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی سیرت سے آکر سیکھیں کہ ایسے دشمنوں کے ساتھ ایسے اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا گیا!!

پھر ایک مزے کی بات یہ کہ جب مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، ان کی جائیدادوں پر کافروں نے قبضہ کر لیا تھا۔ آج مسلمان فاتح بن کر کھڑے تھے، ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! کیا ہم ان سے اپنی جائیدادیں واپس لے سکتے ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم جس چیز کو اللہ کی خاطر چھوڑ چکے ہو اس کو لینے کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ اگر لے لیتے تو اندر آگ جلتی رہ جاتی، وہ بجھ نہ سکتی، ایثار اور عفو و درگزر وہ راستہ ہے جس سے دشمن بھی انسان کے دوست بن جایا کرتے ہیں اور نبی ﷺ نے اسی کو اپنایا۔

ع جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

چنانچہ مکہ مکرمہ کے لوگ اب اپنے دلوں سے اس نفرت کو نکال چکے تھے، مسلمان ہو

چکے تھے، بہت سارے جونہیں ہوئے تھے ان کے دل میں کم از کم آگ بجھ گئی تھی۔

اہلِ حنین وطائف کی فتح:

اس کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔ اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چھ ہزار قیدی آئے، لیکن اگلے دن ان کے چھ سردار آئے اور کہنے لگے کہ جی بڑی غلطی ہوگئی، پلیز! معاف کر دیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا! یہ معاملہ میرے اکیلے کا نہیں ہے، مجھے اپنے لوگوں کو Confedence (اعتماد) میں لینا ہے۔ لہٰذا کل فجر کے بعد تم آ کر اعلان کرنا۔ اب دیکھیے! مینجمنٹ کی کیا خوبصورتی ہے! اکیلے فیصلہ کر دیتے تو ممکن ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے فوراً اس کو ڈائجسٹ (ہضم) کرنا مشکل ہو جاتا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے کتنا خوبصورت آئیڈیا دیا! اگلے دن فجر کے بعد آئے اور چھ سرداروں نے آکر معافی مانگی: جی بڑی غلطی ہوگئی، پلیز پلیز! معاف کر دیں۔ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ اے اللہ کے نبی! جو آپ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا، سارا مالِ غنیمت ان کو واپس کر دیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مکہ مکرمہ، طائف، حنین اور ان جگہوں کے جتنے مشرکین تھے سب کے دلوں کی آگ بجھ چکی تھی۔ اب ان کے دلوں میں نفرتوں کی جگہ محبتیں آ چکی تھیں، ہمیشہ کے لیے اس مسئلے کو ہی حل کر دیا، مگر یہ تو ایک فرنٹ تھا، اس کے علاوہ بھی تو امن خراب کرنے والے لوگ تھے۔

دوسرا فرنٹ...... یہود:

ایک سیکنڈ فرنٹ تھا، اس کو کہتے ہیں ''یہود کا فرنٹ''۔ کچھ قبیلے تھے جو مدینہ طیبہ

میں بستے تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب مسلمان جنگ بدر کے لیے گئے تو ان میں سے ایک قبیلے نے ایک مسلمان عورت کو سرِ بازار برہنہ کر کے بے عزت کیا۔ اللہ کے نبی ﷺ جب واپس لوٹے تو آپ نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں اس کی سزا میں اتنا کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ وہاں سے جا کر قبیلہ بنو قینقاع (خیبر) میں آباد ہو گئے۔ پھر بنو نضیر کے لوگوں نے نبی ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر اوپر سے پتھر گرا کر شہید کرنے کا Plane (منصوبہ) بنایا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ نے بتا دیا۔ اب جب سارا منصوبہ ظاہر ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ وہ بھی خیبر چلے گئے۔

غزوۂ خیبر میں بنو قریظہ نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ نبی ﷺ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم تم سے اب اس کا کیا بدلہ لیں؟ تم خود بتاؤ! تمہاری Choice (خواہش) کیا ہے؟ ایک صحابی تھے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، ان کے ساتھ ان کا ذرا کاروباری تعلق تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ جی یہ جو فیصلہ کر دیں۔ انہوں نے توراۃ کے مطابق فیصلہ کر دیا، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مجھے حَکم بنا دیتے تو میں ان سب کو معاف فرما دیتا۔

تو اس طرح یہود، مدینہ منورہ سے تو چلے گئے مگر خیبر میں جا کر بھی انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جب آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔ خیبر فتح ہوا۔ کچھ دن وہاں رہے۔ نبی علیہ السلام نے اہل خیبر، اہل فدک، وادی طوی، اہل تیمہ ان سب کے ساتھ پھر امن کا معاہدہ فرمایا۔ پھر

آپ ﷺ جانتے تھے کہ خیبر کے لوگوں کو مطمئن تو کرنا ہی ہے، تا کہ یہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نہ ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کے بادشاہ کی بیٹی صفیہ کو اپنے نکاح میں لے کر ان سے رشتہ داری قائم کر لی۔ اس کے بعد یہود نے مسلمانوں کے ساتھ نبی ﷺ کی زندگی میں کبھی کوئی حرکت نہیں کی۔ یوں اس مسئلے کو بھی حل کر دیا۔

تیسرا فرنٹ......نصاریٰ:

اب تیسرا فرنٹ تھا نصاریٰ کا، کیونکہ وہ تو اس وقت کی سپر پاور تھے۔ قیصر اور نجران اور اس قسم کے علاقے جہاں ان کی حکومتیں بھی تھیں۔ نبی علیہ السلام کو پتہ چلا کہ ہمارے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ تو شام کے علاقے ''موتہ'' میں نصاریٰ کے ساتھ جنگ ہوئی اور اس کی عجیب تفصیلات ہیں۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں پر فتح عطا فرمائی اور نصاریٰ وہاں سے بھاگ گئے۔ نصاریٰ کی تعداد ایک لاکھ تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ پھر کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ قیصر کئی لاکھ فوج لے کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے تیاری فرمائی اور یہ پہلا موقع تھا کہ نبی ﷺ نے صاف کہا کہ بھئی! تم اس کے لیے چندہ جمع کراؤ، تا کہ لوگ سفر کر کے جا سکیں۔ لمبا سفر تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ کے راستے میں مال قربان کرنے کی مثالیں قائم کر دیں۔ یہی موقع ہے جس کے لیے علامہ اقبال نے اشعار کہے۔ ذرا سنیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کس جذبے سے اپنے مال کو پیش کیا!

؎ ایک دن رسول پاک ﷺ نے اصحاب سے کہا
دے مال راہِ حق میں جو ہو تم میں مال دار

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق ہے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسول امین کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِ عالم نے اے عمر!
اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضاء پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس کا چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ ماہ و انجم فروغِ دید

ہے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیسے عظیم انسانوں کی جماعت تیار کر دی!! چنانچہ مسلمان گئے، اللہ کی شان کہ نصاریٰ مقابلے میں نہیں آئے اور مسلمانوں نے وہاں بھی امن معاہدے کیے اور بالآخر واپس آئے۔ ''ایلہ'' کا ایک حاکم تھا، اس سے نبی ﷺ نے معاہدہ کیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ ہر جگہ اپنے مقصد کو پورا کرتے تھے کہ لوگ Agree (مان) کر جائیں کہ ہم نے امن اور سلامتی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ نصاریٰ کا بھی یہ معاملہ حل ہو گیا۔ یہ تین بڑے فرنٹ تھے جن پر اللہ کے حبیب ﷺ نے کام کیا اور لوگوں کو امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گزارنے پر Convince (قائل) کر لیا۔

چوتھا فرنٹ......منافقین:

ایک چوتھا فرنٹ بھی تھا۔ وہ کیا؟ کہ مدینہ طیبہ میں کچھ مشرکین ایسے تھے کہ جب مسلمان آئے تو وہ اوپر اوپر سے مسلمان بن گئے حالانکہ وہ دل سے مسلمان نہیں تھے، ان کو ''منافقین'' کہتے ہیں۔ وہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ اب یہ ایک عجیب پوائنٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو ان کے نام بھی بتلا دیے تھے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کی وسعتِ ظرفی دیکھیے کہ ناموں کا بھی پتہ ہے اور ہر وقت آنا جانا اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے ساتھ غصے کا اظہار نہیں فرمایا۔ ان کی منافقت کو بھی برداشت فرما لیا، حتیٰ کہ ان منافقین نے نبی علیہ السلام کے اہلِ

خانہ پر بہتان لگایا، اس سے بڑی تو اور کوئی بات تو نہیں ہو سکتی، مگر اللہ کے نبی ﷺ نے ان سے کوئی Rewenge (انتقام) نہیں لیا۔ جب ان کا سردار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مر گیا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے بیٹے کی فرمائش پر اپنا جبہ اس کے لیے دیا، نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! منافق کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں جنازہ پڑھاؤں گا، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا پھر Effect (اثر) کیا ہوا کہ اس کے Followers (ماننے والوں) میں سے ایک ہزار بندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو دیکھو! نبی ﷺ نے منافقین سے اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ کرتے ہوئے بالآخر ان کو بھی اسلام کے دامن میں جگہ عطا فرما دی۔

تو چار فرنٹ تھے اور چاروں کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ معاملہ کیا کہ سب امن و سلامتی کی زندگی گزارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کی زندگی میں پھر کبھی ایسی جنگ کا معاملہ پیش نہیں آیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری پیغام ...... امن کا پیغام:

چنانچہ نبی علیہ السلام دس ہجری میں مکہ مکرمہ حج کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اب Objective Achieve (مقصد حاصل) ہو چکا تھا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے (مکہ مکرمہ) امن والے شہر میں، امن کے مہینے میں، امن کا عالمی پیغام انسانوں کو دیا۔ پہلے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ کون سا دن ہے؟ اور فرمایا:

((اِنَّ دِمَآئَکُمْ، وَ اَمْوَالَکُمْ، وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ، کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا)) (سیرت حلبیہ: ۳/۳۲۷)

''بے شک تمہارے خون اور اموال اور جانیں دوسروں کے لیے حرام ہیں، جیسے کہ یہ دن، یہ شہر اور یہ مہینہ حرمت والا ہے۔''

امن کا عالمی پیغام دیا۔ آج لوگ دنیا میں بڑے کام کرتے ہیں مگر جب جاتے ہیں تو کہنے والے کہتے ہیں کہ جی کام مکمل نہ کر سکے، زندگی نے ساتھ نہ دیا۔ معلوم ہوا کہ ہر بندے کی زندگی ادھوری ہے۔

تاریخِ انسانیت پڑھ کر دیکھ لیجیے! ایک شخصیت ایسی ہے جس نے کامل زندگی گزاری، ایک لاکھ سے زیادہ انسان سامنے ہیں، رات کے اندھیرے میں نہیں اللہ کے نبی ﷺ دن کی روشنی میں ان سے پوچھتے ہیں کہ میں جو پیغام پہنچانے کے لیے آیا تھا کیا میں نے پہنچا دیا؟ سب نے ہاتھ اٹھا کر تصدیق کی کہ پہنچا دیا۔ آپ نے انگلی کا اشارہ کر کے کہا:

((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ)) ''اللہ گواہ رہنا۔'' (صحیح مسلم: رقم ۲۱۳۷)

جو مقصد لے کر میں آیا تھا، اس مقصد کو دنیا میں Achieve (پورا) کر دیا۔

یہ امن وسلامتی کے پیامبر تھے۔ جنہوں نے حجۃ الوداع میں امن وسلامتی کا فائنل پیغام دیا اور پھر اس کے بعد اللہ کے حبیب ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

رشتے داری برائے امن:

اب ذرا دو باتیں آپ سرسری کے طور پر سن لیجیے! پہلی بات یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبائل کے جو Reactions تھے ان کو ختم کرنے کے لیے بہت سارے قبائل کے ساتھ اپنا خاندانی رشتہ بھی جوڑا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جب آپ ﷺ نے نکاح فرمایا تو مہاجرین کے ساتھ بہت محبت بڑھ گئی۔ ام

حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو ابوسفیان اس کے بعد کبھی مسلمانوں کے ساتھ صف آرا نہ ہوا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو بنی مصطلق کے جو کذاب ڈاکو تھے وہ کبھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں لڑے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کے جو بہنوئی نجد کے سردار تھے وہ کبھی مسلمانوں کے ساتھ صف آرا نہیں ہوئے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہود اس کے بعد مسلمانوں سے نہیں لڑے۔ تو یہ بھی ایک سیرت کا پہلو ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح رشتے ناطے جوڑ کر ان کے دلوں کے غیظ و غضب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

امن کے عالمی پیامبر:

اب ذرا سوچیے کہ اتنے تھوڑے وقت میں اتنے تھوڑے Resources (وسائل) کے ساتھ اتنا بڑا ٹارگٹ Achieve (حاصل) کر لینا یہ صرف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے۔ آج دنیا بہت نقصان کر بیٹھتی ہے اور ان کو ذرا بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ذرا سنیے! تا کہ بات کھل جائے۔ دنیا میں انقلاب آتے ہیں مگر انسان مولی گاجر کی طرح کترے جاتے ہیں۔ یہ تاریخی حقائق ہیں۔ یہ عاجز عرض کر رہا ہے:

- فرانس میں جب جمہوری انقلاب آیا تو چھبیس لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- روس کے اندر کیمونزم کا انقلاب آیا تو ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔
- 1914ء کی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- دوسری جنگِ عظیم میں ایک کروڑ چھ لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- 1857ء کی جنگ آزادی میں ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔
- 1955ء میں کوریا کی جنگ میں پندرہ لاکھ انسان قتل ہوئے۔

◇ 1979ء میں رشیا افغان جنگ میں دس لاکھ انسان قتل ہوئے۔

◇ 1990ء کی گلف وار میں ایک لاکھ انسان قتل ہوئے۔

◇ ایران عراق جنگ میں ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے چار لاکھ انسان قتل ہوئے۔

اتنے لوگ قتل ہو گئے مگر لوگ اپنا ٹارگٹ حاصل نہ کر سکے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی میں جتنے غزوات ہوئے ان میں مسلمانوں اور کافروں کے ملا کر کل ''ایک ہزار'' بندے قتل ہوئے۔ اتنے تھوڑے نقصان پر میرے آقا ﷺ نے پوری دنیا کے اندر امن قائم کر دیا۔

ے میرا قائد ہے وہ صلح امن پیغام تھا جس کا
محمد نام تھا جس کا محبت کام تھا جس کا
وہ رفتہ رفتہ جس نے قوم کو منزل عطا کر دی
کلی آغاز تھی جس کی چمن انجام تھا جس کا

اللہ رب العزت ہمیں اس آقا ﷺ کی ان پیاری پیاری تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ گھروں میں امن ہو، محلوں میں، شہروں میں، ملک میں ہم جہاں جائیں یہ پیغام دیتے جائیں:

ع میرا پیغام ہے محبت جہاں تک پہنچے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مناجات

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے
دیکھ لے جلوہ تیرا جو اک بار
غیر کی پھر وہ آرزو نہ کرے
تیری چوکھٹ سے مانگنے والا
شکوے دنیا کے روبرو نہ کرے
پڑھ کے "یدعو" کا لفظ مؤمن
کیسے جنت کی آرزو نہ کرے
عشق نبوی ہے جس کا سرمایہ
اتباع کیسے ہو بہو نہ کرے
رات دن نعمتیں جو پائے فقیر
تذکرے کیوں وہ چار سو نہ کر

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسکے تقاضے

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسکے تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ﴾ (الاحزاب:٦)

وقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) (بخاری، حدیث:٦١٦٨)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

محبت کا مفہوم:

محبت کا لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو پسند آجائے اور دل اس کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے اور اس کے بغیر انسان کو قرار نہ آئے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ نے محبت کی تعریف (Definition) میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں:

◇ بعض نے کہا:

”اَلْمَحَبَّۃُ: اِیْثَارُ الْمَحْبُوْبِ عَلٰی غَیْرِہٖ“ (طریق الھجرتین:١/٤٤٤)

''محبت محبوب کو (ہر معاملے میں) ترجیح دینا ہے۔''

◇ کسی نے کہا:

''اَلْمَحَبَّۃُ: اَلشَّوْقُ اِلَی الْمَحْبُوْبِ'' (الشفاء للقاضی عیاض: ۲/۲۹)

''محبوب سے ملاقات کا اشتیاق ہونے کو محبت کہتے ہیں۔''

◇ یہ بھی کہا گیا:

''اَلْمَحَبَّۃُ: دَوَامُ الذِّکْرِ لِلْمَحْبُوْبِ'' (امتاع الاسماع: ۱۳/۱۸۰)

''محبت محبوب کو ہمیشہ یادرکھنے، بھول نہ سکنے کو کہتے ہیں۔''

◇ اور بعض نے فرمایا:

''اَلْمَحَبَّۃُ: اِتِّبَاعُ الرَّسُوْلِ'' (امتاع الاسماع: ۱۳/۱۸۰)

''رسول ﷺ جو کام کہیں اس کام کو اسی طرح کرنا، اس کو محبت کہتے ہیں۔''

◇ بعض نے کہا:

''اَلْمَحَبَّۃُ: مَیْلُ الْقَلْبِ اِلٰی مُوَافِقٍ لَّہٗ'' (امتاع الاسماع: ۱۳/۱۸۰)

''محبوب کی باتوں کا محب کے دل میں موافق ہوجانا، اچھا لگنا۔''

نبی علیہ السلام سے محبت، ایمانی فریضہ ہے:

ہر مومن کے دل میں نبی ﷺ کی محبت یقینی ہوتی ہے، اس کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ نبی ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ے نماز اچھی حج اچھا روزہ اچھا زکوۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

محبت رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں:

چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبۃ:۲۴)

''کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے رشتہ دار اور مال جو تم کماتے ہو اور کاروبار جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو تم ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ اللہ تمہارے لیے اپنا حکم (عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتے۔''

سب رشتے گنوائے کہ یہ رشتے داریاں اور وہ تمہارے گھر جن میں رہنا تم پسند کرتے ہو اور تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے، اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر تم انتظار میں رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔

تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی محبت تمام محبتوں کے اوپر غالب ہونی چاہیے، مخلوق کی

ساری محبتیں نیچے ہیں اور نبی ﷺ کی محبت ان سب محبتوں پر فائق ہے۔ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگو! یہ جو دائرۂ اسلام کے اندر محبتیں ہم نے رکھی ہیں، میاں بیوی کی محبت، ماں، باپ، اولاد کی محبتیں، یہ سب اچھی ہیں، لیکن اگر یہ محبتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں رکاوٹ بنیں تو ان محبتوں پر پاؤں رکھ کر تم آگے گزر جاؤ تمہاری منزل کوئی اور ہے۔

محبت رسول ﷺ احادیث کی روشنی میں:

◈ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعَمِهٖ، وَ اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰهِ))

(المعجم الکبیر، حدیث: ١٠٦٦٤)

''اللہ رب العزت سے محبت کرو کہ وہ تمہیں کھانے میں کیا کیا نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو (اللہ کی نسبت سے) کہ میں اللہ کا محبوب ہوں۔''

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی!

◈ چنانچہ ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (بخاری، حدیث: ١٣)

''تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد سے، بیٹوں سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

◈ ایک دوسری جگہ فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ، وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ))

''تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہو جائے۔''

(۱)......((اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا))

''اللہ اور اس کے رسول باقی ہر چیز سے زیادہ بندے کو محبوب ہو جائیں۔''

(۲)......((وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ، لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ))

''اور کوئی شخص جس سے بھی محبت کرے اللہ ہی کے لیے کرے۔''

(۳)......((وَاَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ، کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ))

''اور یہ کہ کفر میں لوٹنے کو ایسے محسوس کرے جیسے آگ میں لوٹنا۔''

(صحیح بخاری، حدیث:۱۶ باب حلاوۃ الایمان)

ان میں سے پہلی بات یہ بیان ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت بندے کو باقی ہر چیز سے زیادہ ہو۔

◈ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے حبیب!

((لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَّفْسِیْ))

''آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔''

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَّفْسِکَ))

''نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي))

''اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے ہیں۔''

تو نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْآنَ يَا عُمَرُ! (بخاری، حدیث:٦٦٣٢)

''اے عمر! اب ایمان مکمل ہو گیا۔''

تو معلوم ہوا کہ یہ محبت تمام محبتوں سے زیادہ مضبوط اور ان پر غالب ہونی ضروری ہے۔

حبِ رسول ﷺ کا ثمرہ:

اس محبت پر انسان کو اجر کیا ملے گا؟

◇ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آئے اور آ کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھنے لگے:

((مَتَى السَّاعَةُ؟))

''قیامت کب آئے گی؟''

فرمایا: ''تو نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟''

عرض کرنے لگے: اے اللہ کے حبیب! میں نے کوئی نماز اور روزے تو زیادہ تیار نہیں کیے۔ وَلٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ''لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ)) (بخاری، حدیث:٦١٧١)

''تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تجھے محبت ہو گی۔''

◇ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: اے اللہ کے حبیب! آپ مجھے میرے ماں باپ سے، اہلِ خانہ سے، مال سے، ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔

((وَاِنِّیْ لَاَذْکُرُکَ، فَمَا اَصْبِرُ حَتّٰی اَجِیْئَ، فَاَنْظُرَ اِلَیْکَ))

''جب میں آپ کو یاد کرتا ہوں مجھ سے صبر نہیں ہوتا، حتی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں اور آپ کے چہرۂ انور کا دیدار کر لیتا ہوں۔''

((وَ اِنِّیْ ذَکَرْتُ مَوْتِیْ وَ مَوْتَکَ، فَعَرَفْتُ اَنَّکَ اِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّۃَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِیِّیْنَ))

''اور مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دن میں نے اس دنیا سے جانا ہے اور آپ نے بھی پردہ کرنا ہے اور میں یہ بھی پہچانتا ہوں کہ آپ ﷺ جنت میں جائیں گے تو انبیاء کے درجے میں بہت اونچے ہوں گے۔''

((وَاِنْ دَخَلْتُهَا لَا اَرَاکَ)) (الشفاء للقاضی عیاض: ۲/ ۲۰)

''میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ کا دیدار نہیں کر سکوں گا۔''

کہنے کا مطلب تھا کہ پھر ایسی صورت میں مجھے جنت میں کیا مزہ آئے گا کہ اس میں آپ کا دیدار ہی نہ ہو سکے گا؟ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

(سورۃ النساء: ۶۹)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہدا اور نیک

لوگ، اوران کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔''

یعنی وہ لوگ پھران کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔

چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''بندہ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ کو سن کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور بات سے ہمیں زندگی میں ایسی خوشی نہیں ہوئی تھی، چونکہ ان کو ایک سند مل گئی کہ آقا ﷺ کے ساتھ جب اتنی محبت ہے تو اب قیامت میں اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کے قدموں میں ہمیں جگہ عطا فرما دیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۵۶)

حبِ رسول ﷺ کے تقاضے

یہاں تک تو یہ بات کھل گئی کہ نبی ﷺ کی محبت ضروری بھی ہے اور اس کا ثواب اور ثمرہ یہ ہے کہ قیامت کے دن نبی ﷺ کے قدموں میں جگہ نصیب ہوگی۔

اب اگلی بات کہ اس محبت کے تقاضے کیا ہیں؟

محبت کا پہلا تقاضا

دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت وتوقیر ہو:

''تَوْقِیْرُہٗ وَتَعْظِیْمُہٗ [عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ]''

''اللہ کے حبیب ﷺ کی عزت اور ان کا احترام دلوں میں ہو اور ہم ان کا اکرام کریں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝﴾ (الفتح: ۸۔۹)

''ہم نے آپ کو حق ظاہر کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ (مسلمانو!) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو اور اسے بزرگ سمجھو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا، تم ان کا احترام کرو، ان کی عزت کرو۔ سلف صالحین کے دلوں میں نبی ﷺ کی اتنی عزت و تکریم تھی اور ایسی قدر و منزلت تھی کہ عجیب مثالیں ہیں۔

◈ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ عِنْدَهٗ، كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرَ''

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو صحابہ یوں ان کے گرد تھے جیسے ان کے سروں کے اوپر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔'' (کنز العمال، حدیث: ۲۸۴۶۵)

◈ ابو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب آپ ﷺ کا تذکرہ ہو تو انسان کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ ادب کا اظہار کرے۔'' (الشفاء: ۲/۴۰)

اور اگر کسی کے سامنے نبی ﷺ کا فرمان پڑھا جائے، حدیث مبارکہ سنائی جائے تو بھی

اسی ادب کوملحوظ رکھنا لازم ہے جو نبی ﷺ کی اپنی موجودگی میں ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ آتے تھے تو باندی کو بھیج کر پوچھتے تھے کہ کیوں آئے ہو؟ اگر تو وہ کہتے کہ جی ہم مسائل پوچھنے آئے ہیں تو آپ ویسے ہی ان کو مجلس میں بلا لیتے اور اگر وہ کہتے کہ جی ہم حدیث مبارکہ سننے کے لیے آئے ہیں تو غسل فرماتے، کپڑے پہنتے، اچھی خوشبو لگاتے، جبہ پہنتے، عمامہ پہنتے اور پھر ایک شان کے ساتھ ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ کے حبیب ﷺ کی حدیث کو بیان فرماتے۔
- سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری کا آخری آخری وقت ہے، کسی نے حدیثِ پاک کے بارے میں پوچھ لیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو! دوسروں نے کہا: آپ تو تکلیف میں ہیں اٹھ کر بیٹھنے میں مشقت ہوگی۔ کہنے لگے: بھلے مشقت ہوگی میں لیٹ کر یہ فرمان آپ کو نہیں سنا سکتا۔ اٹھا کر بٹھایا گیا جیسے ہی حدیث سنا کر ان کو لٹایا، کلمہ پڑھا اور ان کی موت واقع ہوگئی۔ (دروس للشیخ عائض القرنی)
- عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پیدل چل رہے ہوتے اور کوئی حدیث پاک پوچھتا تو جواب نہیں دیا کرتے تھے۔ (دروس للشیخ عائض القرنی)
- کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! آپ سے جب حدیث مبارکہ پوچھی جاتی ہے تو آپ اس قدر فکر مند ہو جاتے ہیں کہ چہرے کا رنگ تک متغیر ہو جاتا ہے، ہیبت چہرے کے اوپر آجاتی ہے، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ جن لوگوں کو میں نے دیکھا اگر تم ان لوگوں کو دیکھ لیتے تو تم کہتے کہ مجھے اس سے بھی زیادہ نبی ﷺ کا احترام کرنا چاہیے۔
- پھر فرمایا کہ میں نے سید القراء محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حدیث پاک

سناتے ہوئے اتنا روتے کہ ہمیں ان پر ترس آنے لگ جاتا تھا۔

◇ میں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہنس مکھ تھے، ہنسی کی باتیں کرتے تھے، لیکن جب حدیث کا تذکرہ آجاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ وہ کبھی بے وضو حدیث مبارکہ نہیں سنایا کرتے تھے۔

◇ میں نے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بھی ہنس مکھ تھے، لیکن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی کیفیت ایسی ہوتی تھی جیسے ان کے چہرے سے خون کو نچوڑ لیا گیا ہو۔

◇ میں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کے سامنے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو اتنے ان کے آنسو گرتے کہ بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

◇ اور میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ حدیث مبارکہ بیان کرتے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی بندے کو نہیں پہچانتے، کسی غم کے اندر مبتلا ہیں۔

◇ میں نے صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس دیکھیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہونے پر اتنا روتے تھے کہ لوگ ان کو روتا چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور وہ بعد میں بھی روتے رہتے تھے۔ (الشفاء: ۲/۴۲) اللہ اکبر کبیرا! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کے ہونے پر بھی بندے کو اسی طرح ادب کا لحاظ کرنا چاہیے۔

محبت کا دوسرا تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آواز بلند نہ کرنا:

”عَدَمُ التَّقْدِيْمِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَغَضُّ الصَّوْتِ عِنْدَهُ“

''نبی علیہ السلام کی آواز مبارک سے اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دیں اور آپ ﷺ کے حکم کے سامنے پیش قدمی نہ کریں۔''

یہ حکم آج بھی موجود ہے کہ ہم نبی ﷺ کے حکمِ مبارک کے اوپر کسی چیز کو فوقیت نہ دیں، صحابہ کا تو معاملہ اور تھا۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ایک بھتیجا تھا۔ وہ انگلی پر ایک کنکری رکھ کے پھینک رہا تھا، کھیل رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ رک گیا، جب آپ کسی کام میں متوجہ ہوئے تو اس نے پھر اسی طرح پھینکی، بچہ جو تھا۔ اتنا غصہ کیا، فرمایا کہ میں تم سے کبھی بھی بات نہ کروں گا، میں تمہیں اللہ کے حبیب ﷺ کا حکم سناتا ہوں اور تم پھر خلاف کرتے ہو! (ابن ماجہ، حدیث:۱۷)

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ ایک بہت عجیب بات تھی کہ محبوب ﷺ کا حکم سن کر پھر انسان اس پر لبیک نہ کہے۔

محبت کا تیسرا تقاضا

نبی ﷺ کی نسبتوں کا احترام کرنا:

''اِعْظَامُ جَمِيْعِ اَسْبَابِهٖ، وَاِكْرَامُ مَشَاهِدِهٖ، وَاَمْكِنَتِهٖ مِنْ مَّكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ''

''مکہ و مدینہ اور نبی ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے والی جتنی چیزیں ہیں ان کا بھی اکرام کریں۔''

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے اندر اپنی سواری کے اوپر سوار نہیں ہوتے تھے۔

کسی نے کہا کہ آپ سوار کیوں نہیں ہو جاتے ؟ تو فرمایا:

''اَسْتَحْيِيْ مِنَ اللهِ اَنْ اَطَأَ تُرْبَةً فِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِحَافِرِ دَابَّةٍ''

''مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مٹی پر میرے آقا کے قدم مبارک لگے ہوں میں اس مٹی کو اپنی سواری کے پاؤں کے ساتھ پامال کروں۔''

ایک بندے نے کہا کہ مدینے کی مٹی اچھی نہیں ہے۔

''اَفْتٰى مَالِكٌ فِيْمَنْ قَالَ: تُرْبَةُ الْمَدِيْنَةِ رَدِيَّةٌ، يُضْرَبُ ثَلَاثِيْنَ دُرَّةً''

''فرمایا: تیس درّے لگاؤ اس بندے کو جس نے یہ الفاظ کہے ہیں'' (الشفاء: ۲/ ۵۷)

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد کے قریب آ جاتے:

''يَرْفَعُ حِذَاءَهُ وَيَمْشِيْ حَافِيًا'' (دروس للشیخ عائض القرنی)

''جوتے اتار لیتے اور مسجد کے باہر ننگے پاؤں چلا کرتے تھے۔''

تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت رکھنے والی جو جگہیں ہیں، جو اشیاء ہیں ان کے ساتھ بھی ہمیں احترام کا معاملہ کرنا چاہیے۔

محبت کا چوتھا تقاضا

اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت ہونا:

''حُبُّ الصَّحَابَةِ وَ اَهْلِ الْبَيْتِ''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو شاگرد تھے، جو آپ کی نبوت کے گواہ تھے، ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت محبت تھی اور محبوب کو جو چیز محبوب ہو اس سے محبت ہونی ضروری ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ! لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ, فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ)) (شعب الایمان: ۲/ ۱۹۱)

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! ان کو میرے جانے کے بعد تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔ جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔''

تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت نبی ﷺ سے محبت کی دلیل اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض گویا نبی ﷺ کے ساتھ بغض کی دلیل ہوتی ہے۔ اب سنیے حدیثِ مبارکہ!

◈ فرمایا:

((اٰیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ, وَ اٰیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ))

''انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہوتی ہے۔'' (بخاری، حدیث: ۳۷۸۴)

تو جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے دوسرے لفظوں میں وہ منافق ہوا کرتا ہے۔

((اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا)) (المعجم الکبیر، حدیث: ۱۴۱۱)

''جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو خاموش ہو جاؤ۔''

◈ انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَثَلُ اَصْحَابِیْ مَثَلُ الْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ)) (مسند ابی یعلی، حدیث: ۲۷۶۲)

''میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے۔''

جس طرح نمک کے بغیر کھانا بے ذائقہ ہوتا ہے، صحابہ کی محبت کے بغیر انسان کا ایمان بے حلاوت ہوا کرتا ہے۔

◈ اور فرمایا:

((مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ كُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حَافِظًا))

''جو میرے صحابہ کی (عزت وحرمت کی) حفاظت کرے گا قیامت کے دن میں اس شخص کا محافظ بن جاؤں گا۔'' (فضائل الصحابۃ لابن حنبل، حدیث: ۱۷۳۳)

◈ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ وَرَدَ عَلَی الْحَوْضِ، وَ مَنْ لَمْ یَحْفَظْنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ لَمْ یَرِدْ عَلَی الْحَوْضِ)) (الشفاء: ۲/۵۶)

''جو میرے صحابہ کی محافظت کرے گا، وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر حاضر ہو اور جو میرے صحابہ کی محافظت نہیں کرے گا، اس کو چاہیے کہ میرے پاس حوضِ کوثر پہ حاضر نہ ہو۔''

◈ فرمایا گیا:

((لِكُلِّ شَیْئٍ اَسَاسٌ، وَ اَسَاسُ الْاِسْلَامِ حُبُّ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) (کنز العمال، حدیث: ۳۲۵۲۳)

''ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرنا ہے۔''

◈ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِیْهِ نَجَا: اَلصِّدْقُ، وَ حُبُّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

''دو خوبیاں ایسی ہیں جس بندے کے اندر ہوں گی نجات پا جائے گا: سچائی ہو، اور صحابہ کی محبت ہو۔'' (الشفاء: ۲/۵۴)

◈ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

◈ ''مَنْ اَحَبَّ اَبَابَكْرٍ فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ''

''جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا۔''

◇ ''وَ مَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَوْضَحَ السَّبِيْلَ''

''اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس کا راستہ واضح ہو گیا۔''

◇ ''وَ مَنْ اَحَبَّ عُثْمَانَ فَقَدِ اسْتَضَاءَ بِنُوْرِ اللهِ''

''جس نے عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اللہ کے نور سے حصہ حاصل کر لیا۔''

◇ ''وَ مَنْ اَحَبَّ عَلِيًا فَقَدْ اَخَذَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى'' (الشفاء:۲/ ۵۴)

''اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔''

◇ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''لَمْ يُؤْمِنْ بِالرَّسُوْلِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ'' (الشفاء:۲/ ۵۴)

''جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہیں کرتا وہ گویا نبی ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا۔''

◇ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّنِيْ وَ اَحَبَّ هٰذَيْنِ وَ اَبَاهُمَا وَ اُمَّهُمَا، كَانَ مَعِيَ فِيْ دَرَجَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) (مسند احمد، حدیث:۵۷۶)

''جو مجھ سے محبت کرے اور میرے شہزادوں حسن اور حسین سے محبت کرے اور ان کے والد سے اور ان کی والدہ سے، وہ قیامت کے دن میرے درجے پر میرے ساتھ ہو گا۔''

تو صحابہ کرام سے محبت کرنا اور اہل بیت سے محبت کرنا یہ بھی نبی ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے۔

محبت کا پانچواں تقاضا

تعلیماتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا:

''اَلْاِقْتِدَاءُ بِہٖ''

''انسان ان کی باتوں پر عمل کرے اور ان کی بات کو اپنائے۔''

چنانچہ کسی شاعر نے کہا:

تَعْصِیْ الْاِلٰہَ وَ اَنْتَ تَزْعَمُ حُبَّہٗ
ھٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

''تو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تو اس سے محبت کرنے والا ہے، یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ بے شک محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔''

(دروس للشیخ عائض القرنی)

تو ہمیں چاہیے کہ نبی ﷺ کی ایک ایک سنت کے ساتھ اپنے جسم کو مزین کریں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ شادی کے موقع پر دلہن کو سجانے کے لیے زیور پہنائے جاتے ہیں، تو دلہن یہ سمجھتی ہے کہ انگلیوں میں انگوٹھی پہنا دیں گے، انگلیاں خوبصورت ہو جائیں گی۔ بازوؤں میں چوڑیاں پہنا دیں گے بازو خوبصورت بن جائیں گے، کانوں میں بالیاں ڈال دیں گے کان خوبصورت ہو جائیں گے، گلے میں ہار ڈالیں

گے گلا خوبصورت ہو جائے گا۔ اس طرح دلہن یہ سمجھتی ہے کہ جسم کے جس عضو پر سونے کا زیور آ گیا وہ میرے خاوند کی نظر میں زیادہ خوبصورت ہو جائے گا، مومن کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ میرے جسم کے جس عضو کو سنت سے نسبت ہو گئی، سنت کا عمل اس پر سج گیا میرا وہ عضو اللہ کی نظر میں خوبصورت ہو جائے گا۔ اس لیے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

''فرما دیجیے! اگر اللہ کو اپنا محبوب بنانا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال اطاعتِ رسول ﷺ:

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی اس قدر اطاعت کرتے تھے کہ بس حکم سننے کی دیر ہوتی تھی فوراً اس کے اوپر عمل ہوتا تھا۔ کچھ مثالیں سن لیجیے!

◇ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن شراب حرام ہوئی میں گھر میں کھڑا لوگوں کو شراب پلا رہا تھا۔ باہر شور ہونے لگا، میرے والد نے فرمایا کہ جاؤ دیکھو کہ کیا ہوا؟ میں نے پتہ کیا اور آ کر بتایا کہ

''اَلَا! اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ''

''شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہو چکا۔''

اس کے بعد شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔ مجھے والد نے کہا:

''اُخْرُجْ فَاَهْرِقْهَا، فَهَرَقْتُهَا'' (صحیح مسلم، باب تحریم الخمر)

''جاؤ، (گھر سے) ساری شراب اٹھا کر بہا دو، پس میں نے بہا دی۔''

ایک صاحب کہنے لگے کہ میں تو اسے دوائی کے طور پر استعمال کرتا ہوں، (اتنی مدت سے عادت ہے اس کو تو آہستہ آہستہ چھوڑنا چاہیے) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَيۡسَ بِدَوَاءٍ، وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ)) (صحیح مسلم، باب تحریم التداوی بالخمر)

''یہ اب دوا نہیں رہی، بلکہ اب بیماری بن گئی ہے۔''

اس طرح وہ آقا ﷺ کے حکم کو سنتے ہی اپنی طبیعتوں کو فوراً بدل لیا کرتے تھے۔

◇ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں۔ ابھی دروازے میں داخل ہو رہے تھے کہ نبی ﷺ نے مجلس میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((اِجۡلِسُوۡا)) ''تم بیٹھ جاؤ۔''

جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ سنا تو وہیں بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا کہ دھوپ میں کیوں بیٹھ گئے ہیں؟ کہنے لگے کہ جب محبوب ﷺ کی مبارک زبان سے سن لیا کہ بیٹھ جاؤ تو چاہے دھوپ تھی یا راستہ تھا، میرے پاس کوئی دوسری صورت نہیں تھی کہ میں بات پر عمل نہ کروں۔ (ابوداود)

◇ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سواری کو روکا، نیچے اترے اور ایسے گئے جس طرح انسان کو قضائے حاجت ہوتی ہے وہاں پر ایسے ہی تھوڑی دیر بیٹھ گئے اور واپس آ گئے، قضائے حاجت سے فارغ نہیں ہوئے۔ ساتھی نے کہا کہ آپ کیوں رکے؟ تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر کیا تھا، میرے آقا ﷺ اسی جگہ پر آ کر رکے تھے اور آپ نے فراغت حاصل کی تھی، مجھے اگرچہ ابھی ضرورت نہیں تھی، لیکن میرا جی چاہا کہ میں اسی عمل کو اپناؤں جس کو میرے آقا ﷺ نے کیا۔ تو صحابہ والہانہ طور پر ہر عمل اسی طرح کرنے کے عادی تھے۔ (الترغیب والترہیب: ص ۳۶)

◇ نبی علیہ السلام نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ یہ ''باب النساء'' ہے، عورتیں اس دروازے

سے مسجد نبوی میں آتی جاتی ہیں، کتنا اچھا ہو کہ عورتیں ہی آئیں۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ سنا تو فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنی پوری زندگی اس دروازے سے کبھی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوا۔ عورتیں ہوں یا نہ ہوں چونکہ میرے آقا ﷺ کی چاہت تھی کہ یہاں سے عورتیں اندر داخل ہوں۔ یہ صحابہ کی اتباع سنت کا رنگ تھا۔ (شرح ابی داود للعینی: ۲/ ۳۷۲)

اکابر علمائے دیو بند کی اطاعتِ رسول ﷺ:

آپ سوچ رہے ہوں گے وہ تو صحابہ تھے، بڑی شان والے لوگ تھے، امت میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جو کہ صحابہ کا نمونہ تھے۔ ان کی روحانی اولاد، ان کے جانشین، ان کے وارث، وہ نبی ﷺ کی سنتوں پر اسی طرح محبتوں کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اگر قریب کے زمانے میں دیکھنا ہے تو اکابر علمائے دیو بند کی اتباعِ سنت کو دیکھ لیجیے کہ اللہ رب العزت نے ان کو یہ صفت دی تھی کہ ہر باطل سے ٹکراتے تھے، جلالِ شاہی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، سنت کو پیٹھ نہ دکھانا اور الفت کے ساتھ اطاعت کا پیکر بن جانا ان کی شان ہوا کرتی تھی۔ کچھ مثالیں دیکھیں:

◇ آیئے! اس قافلہ کے امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیے! فرنگی نے پولیس پیچھے لگا دی کہ پکڑ کر پھانسی چڑھا دیا جائے۔ تین دن آپ روپوش رہتے ہیں اور تین دن کے بعد پھر باہر آجاتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جان کا معاملہ ہے چھپ جایئے۔ فرمانے لگے: میں نے اپنے آقا ﷺ کی مبارک زندگی پر نظر دوڑائی تو مجھے غارِ ثور میں تین دن رات روپوشی کے نظر آتے ہیں، میں نے سنت پر عمل کر لیا، اب اگر کوئی پکڑ کر پھانسی بھی چڑھا دے گا تو قاسم کی جان حاضر ہے۔

◇ آیئے! اس قافلہ کے ایک اور بزرگ جو اپنے وقت کے فقیہ تھے، گنگوہ میں رہنے والے، حضرت گنگوہی کی زندگی کو دیکھیے! آخری وقت میں ''موتیا بن'' آنے کی وجہ سے بینائی چلی گئی تھی، مگر اس کے باوجود رات کو سرمہ لگا رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ سرمہ تو بینائی کے لیے لگایا جاتا ہے کہ تیز ہو جائے۔ تو فرمایا کہ آپ بینائی تیز کرنے کے لیے لگاتے ہوں گے میں تو سنت سمجھ کر لگا رہا ہوں، اگرچہ بینائی سے محروم ہوں، مگر میں سرمے کی سنت پر عمل تو کر لوں۔

◇ اسی قافلہ کے ایک اور بزرگ جو مالٹا کی جیل میں قید ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیے، جیل کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور جیل کے لوگوں کو حدیث اور تفسیر پڑھا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے روحانی فرزند ہونے کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

◇ آیئے! علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی کو دیکھیے! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ بے وضو قرآن اور حدیث تو اپنی جگہ کسی بھی دینیات کی کتاب کو زندگی میں ہاتھ نہیں لگایا کرتے تھے۔

◇ تھانہ بھون کے اس بزرگ کی زندگی کو دیکھیے! فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے ماضی پر نظر دوڑائی مجھے ایک بھی عمل ایسا نظر نہیں آیا جو میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف کیا ہو۔

◇ ایک اور بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں ایک واعظ اور خطیب کے طور پر قبولیت عطا فرمائی، جنہوں نے اٹھارہ سال مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا اور حدیث پڑھتے وقت فرمایا کرتے تھے: ''قَالَ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ان کی مبارک زندگی کو دیکھیے کہ وہ اپنی ریش مبارک سے روضۂ انور

کے باہر کی جگہ پر جھاڑو دے رہے ہیں کہ جس کی یہ سنت ہے اسی کی حرمت پر میں یہ قربان کر رہا ہوں۔

پھر جب دار العلوم واپس لوٹ کر آئے، تو دار العلوم کے باغ کے اندر جہاں لوگ پھول لگاتے تھے، انہوں نے کیکر کا درخت لگوایا۔ طلباء حیران ہوئے، حضرت! یہ باغیچہ ہے، یہاں تو پھول لگنے چاہییں تھے، آپ کیکر کا درخت لگوا رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! میں نے کیکر کا درخت اس لیے لگوایا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ میرے آقا ﷺ نے بیعت رضوان جس درخت کے نیچے لی تھی وہ کیکر کا درخت تھا، میری نظر اس کے کانٹوں پہ پڑے گی مجھے میرے آقا ﷺ کی یاد دلایا کرے گی۔

◇ آیئے! اس قافلہ کے ایک اور نحیف و ناتواں بزرگ کو دیکھیے! جو اپنے بستر کو اپنی پیٹھ پر رکھ کے ہر ہر امتی کے دروازے پہ جانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور لوگوں سے بھیک مانگتا ہے کہ اپنے آقا کے دین کو سیکھنے کے لیے کچھ وقت عطا کر دیجیے، یہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کی محنت شروع کی، اللہ نے ایسا فیض پھیلایا کہ آج کروڑوں انسان اس دعوت و تبلیغ کی وجہ سے ہدایت پا چکے ہیں۔

◇ پھر آیئے! لاہور کے اس شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیے! جو ایک سکھ کے بیٹے تھے، اللہ نے ایمان لانے کی سعادت عطا فرمائی۔ فرماتے تھے کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے، وہ چاہتے ہیں تو سید کے بیٹے سے ہیر لکھواتے ہیں اور ایک سکھ کے بیٹے سے تفسیر لکھوا دیا کرتے ہیں۔

◇ اور خطیبِ بے بدل حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھیے! فرنگی نے ان کو جیل میں ڈال دیا، ان کے ہاتھ چکی پیس رہے ہیں اور ان کی زبان اللہ کا

قرآن پڑھ رہی ہے۔

تو یہ اکابر وہ تھے جو نبی ﷺ کی ایک ایک سنت پر محبت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔

محبت کا چھٹا تقاضا

نبی ﷺ سے بغض رکھنے والے سے بغض ہونا:

"بُغضُ مَنْ اَبغَضَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ"

''جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بغض ہو تو اس کے ساتھ دل کے اندر بغض رکھنا۔''

جب محبت ہو تو جو محبوب سے محبت رکھے وہ اچھا لگتا ہے اور جو بغض رکھے وہ برا لگتا ہے۔ اس کی آسان سی مثال: ماں کو بیٹا جب ملتا ہے تو اس کی محبتوں کے پیمانے بدل جاتے ہیں، جو اس کے بیٹے کو پیار کرے وہ اسے اچھا لگتا ہے اور جو بیٹے سے پیار نہ کرے وہ اچھا نہیں لگتا۔ بالکل اسی طرح جو نبی ﷺ سے محبت کرے وہ ہماری آنکھ کا تارا اور اگر کسی کے دل میں نبی ﷺ سے بغض ہے تو ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

◇ چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق سے جب واپس آنے لگے تو اس وقت رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے یہ کہا:

"لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ"

''جب ہم مدینہ پہنچیں گے، عزت والے ذلیل کو نکال دیں گے۔''

ان کے بیٹے نے یہ الفاظ سنے تو جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو جہاں مدینہ کا

مدخل تھا، وہ وہاں جاکر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ والد کو وہیں روک لیا، کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ عزت والے ذلیل کو نکال دیں گے، اب آپ کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، اگر آپ داخل ہوئے تو میں گردن اڑا کے رکھ دوں گا جب تک کہ آقا ﷺ تمہیں داخلے کی اجازت نہیں دیتے۔ نبی ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا:

((اِنِّیْ اَذِنْتُ لِاَبِیْکَ، فَکُفَّ عَنْهُ)) (موسوعۃ خطب المنبر: ۱/ ۲۷۲)

''میں نے تیرے باپ کو اجازت دے دی سوان پر ہاتھ مت اٹھاؤ۔''

تب انہوں نے اپنے والد کو مدینہ میں داخل ہونے دیا۔ یہ ہے کہ جس کو نبی ﷺ سے محبت وہ ہمارا محبوب اور جس کو نبی ﷺ سے محبت نہیں ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

- بدر کا میدان ہے، دشمن کی صفوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی موجود ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اجازت مانگی کہ آقا! عبدالرحمٰن آیا ہے مجھے جانے دیجیے کہ اس کا کام تمام کروں۔ میرے آقا ﷺ ابوبکر کو روک لیتے ہیں۔
- بدر کے میدان میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے حقیقی والد آتے ہیں، وہ اپنے حقیقی والد کی زندگی کا معاملہ نمٹا دیتے ہیں کہ تو میرے آقا ﷺ کا دشمن بن کر آیا ہے۔
- عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خالو عاص بن ہشام آئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خالو کا مقابلہ کیا۔ وہ کہنے لگے: تو تو میرا بھتیجا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے آقا ﷺ کی محبت کے سامنے سب رشتے داریاں ہیچ ہیں۔
- ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کو مقابلے کے لیے طلب کیا، مگر وہ مقابلے کے لیے نہ آیا۔
- مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے بھائی کو بدر کے دن تہ تیغ کیا، کہ کیوں تم

میرے آقا کی دشمنوں کی صف میں میرے سامنے آئے ہو؟

◇ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے پہلے بیٹی کو ملنے آتے ہیں، چارپائی پر بیٹھنا چاہتے ہیں، بستر کو لپیٹ دیتی ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: بیٹی! باپ کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں، بستر سمیٹتے نہیں۔ فرماتی ہیں: آپ نے صحیح کہا، لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ ایک مشرک میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے اوپر آکر بیٹھ جائے۔ (زادالمعاد)

تو یہ بھی ایک ایمانی غیرت ہوا کرتی ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب سے محبت کرنا اور جو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کرنے والے ہوں تو دل کے اندر بغض کا ہونا محبت کے تقاضوں میں سے ہے۔

محبت کا ساتواں تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کثرت سے کرنا:

''کَثْرَۃُ ذِکْرِہٖ لَہٗ''

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کثرت سے کرنا۔''

کہتے ہیں: ''مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ''

''جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اکثر اس کا تذکرہ کرتا ہے۔''

مثال کے طور پر: اللہ رب العزت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے تو اللہ رب العزت نے اپنی ہر کتاب میں محبوب کا تذکرہ کیا۔ توراۃ میں بھی تذکرہ، زبور میں بھی تذکرہ، انجیل میں بھی تذکرہ اور قرآن مجید میں بھی تذکرہ۔ قرآن مجید میں تو جس صفحے کو بھی پڑھو کہیں

نہ کہیں نبی ﷺ کی مدح اور ثنا نظر آتی ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ نبی ﷺ سے محبت کی وجہ سے انہیں کثرت سے یاد کریں۔

سنتِ نبوی پر عمل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد کے مانند ہے:

حقیقت یہ ہے کہ آقا ﷺ تو انسان کو زندگی بھر یاد ہوتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے سنت یاد، اٹھتے ہوئے سنت یاد، لیٹتے ہوئے سنت یاد، جو سنت پر عمل کرنے والے ہیں، مسنون دعاؤں کو پڑھ کر زندگی گزارنے والے ہیں، ان کے سامنے تو ہر وقت ہی آقا ﷺ کی ذات بابرکات رہتی ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ نماز میں تو اللہ کا دھیان دل میں جماؤ اور نماز کے علاوہ باقی پورا وقت میرے محبوب ﷺ کا دھیان دل میں جمائے رکھو۔ آقا ﷺ کی یاد ہر وقت دل کو تڑپاتی رہے۔

◇ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک دفعہ خطبہ دینے کے لیے بیٹھے تو فرمایا:

"سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ الْعَامَ الْاَوَّلَ، فَبَکٰی" (دروس للشیخ عائض القرنی)

"میں نے نبی ﷺ سے ایک سال سنا اور پھر اس پر رو پڑے۔"

پھر فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا، جب آقا ﷺ کا تذکرہ کرتے تھے آنکھوں سے آنسو آجاتے تھے اور سر جھکا لیتے تھے۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ محبوب ﷺ کا نام مبارک زبان سے نکلتا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جایا کرتی تھی۔ نبی ﷺ کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ منیٰ میں ہیں، ایک عورت نے پوچھا: مَنْ اَنْتَ؟ فرمایا: ابوبکر۔ اس نے کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ" (دروس للشیخ عائض القرنی)

اس پر آپ رو پڑے، اس لیے کہ اس نے نبی ﷺ کی نسبت سے آپ کے نام کو پکارا تھا۔

◈ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سو گیا، سن ہو گیا، کسی نے کہا:

''اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ، يَزِلْ عَنْكَ''

''جو آپ کو انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس کا نام لیں تو آپ کا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا۔''

کہنے لگے: ''یَامُحَمَّدَاهْ''۔ بے اختیار آقا ﷺ کا نام زبان سے نکلا۔

فَانْتَشَرَتْ ''پاؤں ٹھیک ہو گیا۔'' پھر انہوں نے اس کو پھیلا دیا۔

(الشفاء:۲/۲۳)

◈ بلال رضی اللہ عنہ نے آقا ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اذان دینا ہی چھوڑ دی تھی کہ میں پہلے اذان دیا کرتا تھا اور اب میں اگر اذان دوں گا اور اپنے آقا ﷺ کا چہرۂ انور نہیں دیکھوں گا تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکوں گا۔ پھر اس کے بعد ایک مرتبہ انہوں نے مسجدِ نبوی میں اذان دی، وہ بھی اس لیے کہ دو شہزادے سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے تقاضا کیا کہ ہمیں نانا جان کے زمانے کی اذان سنایئے۔ تو بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، جس نے وہ آواز سنی جو میرے آقا ﷺ کے زمانے میں سنا کرتے تھے، ہر مرد کی آنکھوں سے آنسو تھے۔ ہمسائے کی عورتوں نے سنا وہ بھی اپنی چادروں سے اپنے آپ کو لپیٹ کر باہر نکل آئیں، مسجد نبوی کے باہر عورتیں رو رہی ہیں، اندر مرد رو رہے ہیں۔ (تاریخ دمشق:۷/۱۳۷)

◈ صحابہ جب آپس میں اکٹھے ہوتے تھے تو ایک دوسرے کو نبی ﷺ کی باتیں اس طرح سناتے تھے جیسے خوشی خوشی محفل کے لوگ بیٹھ کر آپس میں کوئی سویٹ ڈش سے لطف

اندوز ہورہے ہوں، اس محبت کے ساتھ وہ اپنے آقا ﷺ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

محبت کا آٹھواں تقاضا

شوقِ ملاقات:

"کَثْرَۃُ شَوْقِہٖ اِلٰی لِقَائِہٖ"

"نبی ﷺ سے ملاقات کا شوق ہونا۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ سے ملنے کا شوق ہو، تڑپ ہو۔ جب محبت ہوتی ہے تو انسان کا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے ملاقات کروں۔ چنانچہ ہر مومن کے دل میں یہ تمنا چھپی ہوتی ہے کہ مجھے آقا ﷺ کا دیدار نصیب ہو، مجھے آقا ﷺ سے ملاقات کا شرف نصیب ہو جائے۔ دنیا کے اندر خواب میں ہی سہی اور آخرت میں آپ کے قدموں میں حاضری کے ذریعے سے ہو۔

شرفِ ملاقات مال واولاد کی قیمت پر:

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ ، یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَھْلِہٖ وَ مَالِہٖ)) (صحیح مسلم، حدیث: ۲۸۳۲)

کہ مجھ سے میری امت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے، وہ مجھے نہیں دیکھیں گے، فقط علما سے میرے تذکرے سنیں گے۔ میرا تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے ایسی محبت ہوگی کہ اگر ان کو اختیار دیا جاتا کہ وہ

اپنے مال اور اپنے بچوں کو بیچ کر میرا دیدار کر سکتے، وہ یہ سودا بھی کر گزرتے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ رو رو کر دعا کر رہے ہیں، اللہ! مجھے میرے احبا سے جلدی ملا دینا۔ صحابہ کرام اس وقت حاضر تھے، فرمانے لگے: اے اللہ کے نبی! ہم آپ کے غلام بے دام، ہر وقت حاضر باش رہتے ہیں، آپ کن کے لیے یہ دعا کر رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم مجھ سے محبت رکھتے ہو، تمہارا ایمان بڑا قیمتی، مگر تم نے تو میرا چہرہ دیکھا، تم نے جبرئیل علیہ السلام کو آتے دیکھا، اللہ کا قرآن اترتے دیکھا، میں جن لوگوں کے لیے اداس ہوں اور دعا کر رہا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں کہ میں جب دنیا سے پردہ کر جاؤں گا، اس وقت دنیا میں پیدا ہوں گے، انہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا، وہ فقط اپنے علما سے میری سیرت، میرا تذکرہ سنیں گے، میرے فضائل کا تذکرہ سنیں گے اور غائبانہ تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے اتنی محبت ہو جائے گی کہ وہ مجھ پر بن دیکھے ہی ایمان لے آئیں گے، میں ان کے لیے دعا کر رہا ہوں اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ (کنز العمال، حدیث: ۳۴۱۹۷، جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۶۰۰۷)

خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات:

عبدہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، فرماتی ہیں کہ میرے والد خالد بن معدان جب بستر پر آ کر لیٹتے تو نبی علیہ السلام کو یاد کرتے، صحابہ کو یاد کرتے اور کہتے:

"هُمْ اَصْلِيْ وَ فَصْلِيْ، وَاِلَيْهِمْ يَحُنُّ قَلْبِيْ، طَالَ شَوْقِيْ اِلَيْهِمْ، فَعَجِّلْ رَبِّ قَبْضِيْ اِلَيْكَ" (الشفاء: ۲/۲۱)

"وہ میرے اصل ہیں اور فصل ہیں، ان کی طرف میرا دل کھنچتا ہے۔ اللہ! میری روح کو قبض کر لیجیے، تاکہ مجھے ان کے ساتھ ملاقات نصیب ہو جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات:

عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینے کی گلیوں میں حالات معلوم کرنے کے لیے گشت فرما رہے ہیں، ایک بڑھیا نبی ﷺ کی محبت میں شعر کہہ رہی ہے:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ
صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارُ
یَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارٌ
قَدْ کُنْتُ قَوَّامًا بَکٰی بِالْاَسْحَارِ
ھَلْ تَجْمَعُنِیْ وَ حَبِیْبِیْ الدَّارُ

عمر رضی اللہ عنہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ بوڑھی عورت پوچھتی ہے: من ھٰذا؟ کون ہے؟ کہنے لگے: عمر۔ کہنے لگی: امیر المومنین! آپ رات کے وقت ایک بوڑھی عورت کے دروازے پر؟ دروازہ کھولا، امیر المومنین! اندر آجایئے۔ امیر المومنین اندر آتے ہیں، عرض کیا: چارپائی پر بیٹھ جایئے، فرمایا: نہیں بیٹھوں گا۔ کیوں؟ میرے ساتھ ایک وعدہ کرو۔ بڑھیا کیا وعدہ کرے؟ بس میرے ساتھ ایک وعدہ کرلو پھر چارپائی پر بیٹھوں گا۔ اس نے کہا: امیر المومنین! بتائیں۔ فرمایا: وعدہ یہ کرو کہ جو اشعار آپ نے پڑھے، ان کے آخر میں یہ مضمون تھا: ''اللہ! مجھے قیامت کے دن میرے محبوب ﷺ کے ساتھ اکٹھا فرمادے۔'' اس شعر میں تبدیلی کر کے عمر کا نام بھی اس میں شامل کرلو کہ یا اللہ! مجھے اور عمر کو قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ اکٹھا فرمادیجیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کے ساتھ ایسی محبت تھی!

(تفسیر قرطبی سورۃ الشعراء، کنز العمال، رقم: ۳۵۷۶۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شوقِ ملاقات:

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہے، بیوی کہتی ہے:

"وَاحَزَنَاهُ!" ہائے افسوس!

تو اس وقت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"وَاطَرَبَاهُ! غَدًا اَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَ حِزْبَهُ" (الشفاء: ۲/۲۳)

''کیا خوشی کی بات ہے آج موت آئے گی، کل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے گی!''

یہ حضرات ایسے تھے۔ چنانچہ امت کے اولیا کا بھی یہی طریقہ رہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل کو گرماتی تھی اور ان کے دل میں شوقِ ملاقات بڑھا دیتی تھی۔

چنانچہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دلڑی اداس گھنیری اے
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں نیں لائیاں کیوں جھڑیاں
مکھ چن بدر شاشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیاں ہن مد بھریاں

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

حضرت شاہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِتھے میں مٹھڑی نت جان بلب
اتھے خوش وسدا وچ ملک عرب
اتے دھکڑے دھوڑے کھاندڑی آں
تینڈے نام توں مفت وکاندڑی آں
تینڈی باندیاں دی میں باندڑی آں
تیرے در دے کتیاں نال ادب
اِتھے میں مٹھڑی نت جان بلب

تو نبی ﷺ کے ساتھ محبت کا ہونا اور آپ ﷺ کی یاد دل میں آنا اور ملاقات کا شوق ہونا یہ بھی محبت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔

محبت کا نواں تقاضا

نبی ﷺ کی امت کا غم:

"اَلشَّفْقَةُ عَلٰى اُمَّتِهٖ، وَالسَّعْیُ فِیْ مَصَالِحِهِمْ، كَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفًا رَحِیْمًا"

جس طرح نبی ﷺ کو امت سے محبت وشفقت تھی اسی طرح جس کو نبی ﷺ سے محبت ہوگی وہ بھی امت کے ساتھ رأفت ورحمت والا بن جائے گا۔ جو غم نبی ﷺ کے دل میں تھا وہ غم اس کے دل میں آئے گا۔ نبی ﷺ کے دل میں امت کا غم تھا، آپ امت کے لیے دعائیں فرمایا کرتے تھے، غم زدہ رہا کرتے تھے، یہ غم اس عاشق کے دل میں منتقل ہوتا ہے، یہ اس کی نبی ﷺ سے محبت کی سچی دلیل ہوا کرتی ہے۔

امت کا غم کھانے والوں کا درجہ:

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ سن لیجیے! انس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنْ اَقْوَامٍ لَیْسُوْا بِاَنْبِیَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ؟))

"میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں کہ نہ وہ انبیا ہوں گے نہ وہ شہدا ہوں گے؟"

((یَغْبِطُهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ بِمَنَازِلِهِمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهَا))

’’مگر قیامت کے دن انبیا اور شہدا اللہ کی طرف سے ان کے بلندی درجات پر رشک کر رہے ہوں گے اور نور کے منبروں پر ہوں گے۔‘‘

((قَالُوْا: وَمَنْ هُمْ؟))

’’صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! وہ لوگ کون ہیں؟‘‘

((قَالَ: اَلَّذِيْنَ يُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ، وَيُحَبِّبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰى عِبَادِهٖ))

’’وہ لوگ جو بندوں کو اللہ کا محبوب اور اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں۔‘‘

((وَهُمْ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ نُصَحَاءَ))

’’اور ناصح بن کر زمین پر چلتے ہیں۔‘‘

((قَالَ: قُلْنَا: يُحَبِّبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰى عِبَادِ اللّٰهِ، فَكَيْفَ يُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ؟))

’’صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں، یہ تو بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن بندوں کو اللہ کا محبوب کیسے بناتے ہیں؟‘‘

((قَالَ: يَاْمُرُوْنَهُمْ بِحُبِّ اللّٰهِ، وَ يَنْهَوْنَهُمْ، يَعْنِيْ عَمَّا كَرِهَ اللّٰهُ، فَاِذَا اَطَاعُوْهُمْ اَحَبَّهُمُ اللّٰهُ))

’’نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: وہ لوگوں کو امر کرتے ہیں اللہ کی محبت کا اور ان کو گناہوں سے منع کرتے ہیں، پس جب وہ اللہ کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا۔ (شعب الایمان: ۱/ ۳۶۷)

تو جو لوگ دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں ان کو اللہ قیامت کے دن وہ درجات دیں گے کہ شہداء اور انبیاء بھی ان کے اوپر رشک کریں گے۔

بے غرض محبت:

آقا ﷺ کے دل میں امت کا غم انتہا درجے کا تھا۔ اسی کو تو محبت کہتے ہیں۔ محبت کیا ہوتی ہے؟ اگر آپ لوگوں سے پوچھیں گے تو جواب ملے گا: اپنی غرض کو پورا کرنا، اپنے مقصد کو پورا کرنا۔ چنانچہ دنیا کی جتنی محبتیں ہیں سب کے پیچھے مقصد اور غرض ہوتی ہے، بھلے ماں باپ کی محبت ہو، اولاد کی محبت ہو، میاں بیوی کی محبت ہو، بھائی بھائی کی محبت ہو، حتیٰ کہ استاد اور شاگرد کی محبت ہو۔ شاگرد کو غرض کہ علم حاصل کروں اور استاد کو غرض کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے گا، تو غرض تو ہر جگہ ہوتی ہے۔ کوئی محبت دنیا میں ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں غرض نہیں ہوگی۔ ہاں! ذرا تاریخ سے پوچھو کہ کوئی محبت ایسی بھی تھی جو بے غرض ہو؟ تو تاریخ ہمیں چودہ سو سال پیچھے لے جائے گی۔ رات کا وقت ہے، حجرہ ہے، ایک ہستی سجدے کے اندر گری ہوئی، بھیگی آنکھیں ہیں، جسم حرکت نہیں کر رہا، ایک لفظ بار بار کہہ رہی ہے: یارب امتی! یارب امتی! عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے آقا ﷺ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے یہ وہم گزرا کہ کہیں روح پرواز تو نہیں کر گئی، میں قریب آئی، میں نے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر دیکھا۔ (الترغیب والترہیب: ۳/۲۶۱)

اللہ اکبر! اتنا لمبا سجدہ! امت کے لیے رو رہے ہیں۔ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا امت بخشے جانے سے ان کے درجے بلند ہوں گے، نہیں! اللہ ان کو پہلے ہی رضا کا پروانہ دے چکے کہ میرے محبوب!

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾

''اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے۔''

جس کو رضا کا پروانہ مل گیا، بخشش کی خوشخبری مل گئی، وہ کیوں ''امتی امتی'' کہہ

رہے ہیں؟ پتہ چلا کہ امت کے ساتھ رأفت تھی، رحمت تھی۔

﴿كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفًا رَحِيمًا﴾

''وہ مومنین کے ساتھ رؤوف بھی تھے رحیم بھی تھے۔''

اس بنا پر امت کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ آپ کوئی ایسے ماں باپ نہیں دکھا سکتے جو اولاد کی خاطر تیئس سال روتے رہے ہوں، اگر کوئی تیئس سال رویا تو وہ میرے آقا ﷺ ہیں جو امت کی خاطر تیئس سال روئے۔

آخری وقت تک امت کا غم:

حتی کہ ملک الموت آتے ہیں، کہتے ہیں: اے آقا! آپ کو اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا۔ میرے آقا ﷺ پوچھتے ہیں: ملک الموت! پہلے یہ پوچھ کر بتادو کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا؟ اللہ رب العزت نے جواب میں فرمایا کہ ہم آپ کی امت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اب اس بات کو سن کر میں اپنے مولیٰ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں۔ (احیاء علوم الدین: ۷/ ۱۷۵، المعجم الکبیر، حدیث: ۲۶۷۶)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جو غم دیا اس غم کو دل میں بٹھانا اور اس غم میں زندگی گزارنا، یہ اللہ رب العزت کے محبوب کے ساتھ محبت کی پکی دلیل ہے۔

محبت کا دسواں تقاضا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر کثرت سے درود شریف پڑھنا:

''كَثْرَةُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ (صلى الله عليه وآله وسلم)''

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرت سے درود وسلام پڑھنا۔''

یہ بھی محبت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾(الاحزاب:۵۶)

تو ہم بھی درود شریف پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کتنا درود شریف پڑھیں؟

سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

((كَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِىْ؟))

''اے اللہ کے نبی! میں کتنا درود شریف پڑھوں؟''

((قَالَ: مَاشِئْتَ))''فرمایا: جتنا پڑھو گے فائدہ ہوگا۔''

عرض کیا:''میں تیسرا حصہ آپ پر درود شریف پڑھوں گا۔''

فرمایا:''زیادہ پڑھو گے تو زیادہ اجر ملے گا۔''

پھر انہوں نے عرض کیا کہ آدھا حصہ آپ پر درود شریف پڑھوں؟

فرمایا:''زیادہ پڑھو گے تو اور زیادہ اجر ملے گا۔''

عرض کیا:''اے اللہ کے محبوب! میں دو تہائی آپ پر درود شریف پڑھوں گا۔''

فرمایا:''اور بڑھاؤ گے تو اور زیادہ فائدہ ہوگا۔''

اس پر انہوں نے عرض کیا:

((اَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِیْ کُلَّهَا))

''میں اپنا سارا وقت آپ پر درود شریف میں گزاروں گا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِذًا تُکْفٰی هَمُّکَ، وَیُغْفَرُ ذَنْبُکَ)) (ترمذی، حدیث:۲۴۵۷)

''اگر تو ہر وقت مجھ پر درود شریف پڑھے گا، اللہ تیرے گناہوں کو معاف فرمائیں گے اور تیرے غموں کو کافی ہو جائیں گے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''وَاللهِ! لَوْلَا مَا ذَکَرَ اللهُ وَ رَسُوْلُه فِی فَضْلِ التَّسْبِیْحِ، وَ التَّکْبِیْرِ، وَالتَّهْلِیْلِ، وَالتَّحْمِیْدِ، لَجَعَلْتُ کُلَّ اَنْفَاسِیْ صَلَاةً عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (دروس للشیخ عائض القرنی)

''اللہ کی قسم! اگر اللہ اور اس کے رسول نے تسبیح اور تکبیر تہلیل اور تحمید کے فضائل نہ بیان کیے ہوتے تو میں اپنے ہر سانس کو نبی ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے اندر خرچ کر دیتا۔''

درود شریف قبولیتِ دعا کے لیے شرط ہے:

ایک حدیث پاک میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((اِنَّ الدُّعَاءَ یَکُوْنُ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ، لَا یَصْعَدُ مِنْهُ شَیْئٌ، حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث:۲۹۹۸۹)

''دعا اس وقت تک آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک کہ نبی ﷺ کے اوپر درود شریف نہ پڑھا جائے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ، نَسِيَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ)) (الشفاء:۲/۷۸)

''جو مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا، وہ حقیقت میں جنت کے راستے کو بھول گیا ہے''

درود شریف نبی علیہ السلام کی قربت کا ذریعہ ہے:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا

((اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً)) (ترمذی، حدیث: ۴۸۴)

''جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔''

ایک نوجوان صحابی آئے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان جگہ بنادی، وہ نوجوان آکر بیٹھ گئے۔ فرمایا: ابوبکر! تمہیں محسوس تو ہورہا ہوگا کہ یہ درمیان میں بیٹھ گئے۔ اے اللہ کے نبی! میں چاہتا تو یہی ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نہ آئے۔ فرمایا: اس نوجوان کو جو جگہ ملی اس لیے کہ یہ ایسا درود شریف پڑھتا ہے جو میرے امتیوں میں سے کوئی دوسرا نہیں پڑھتا۔ یہ درود شریف پڑھتا ہے:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَمَرْتَ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ، وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ)) (بستان الواعظین: ص ۲۷۴)

اس درود شریف کے پڑھنے پر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ان کا اکرام فرمایا۔

درودشریف مغفرت کا ذریعہ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ اَمْحَقُ لِلذُّنُوْبِ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ لِلنَّارِ))

''ٹھنڈا پانی آگ کو اتنا جلدی نہیں بجھاتا جتنا جلدی نبی ﷺ پر پڑھا گیا درود شریف انسان کے گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔'' (الشفاء: ۲/۷۷)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کتاب کے اندر میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھے گا، جب تک وہ کتاب رہے گی، اس پر فرشتے اس کی طرف سے استغفار کرتے رہیں گے۔ (کنز العمال، حدیث: ۲۲۴۳)

ایک حدیث شریف میں نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین بندے ہوں گے جن کو اس روز عرش کا سایہ نصیب ہوگا جب اور کوئی سایہ نہ ہوگا:

((مَنْ فَرَّجَ عَنْ مَكْرُوْبِ اُمَّتِیْ))

''جس نے مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کیا۔''

((وَمَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ))

''اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا۔''

((مَنْ اَكْثَرَ صَلٰوۃً عَلَیَّ)) (بستان الواعظین: ۱/۲۷۷)

''جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔''

درودشریف پڑھنے کے مواقع:

وہ جگہیں یا وہ مواقع جہاں درود شریف پڑھنا چاہیے:

◇ "عِنْدَ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَ الْخُرُوْجِ مِنْهُ"
''مسجد میں داخل ہوتے وقت یا نکلتے وقت۔''

◇ "وَالتَّشَهُّدِ" تشہد میں۔

◇ "وَرُؤْيَةِ الْمَسَاجِدِ"
''مساجد کو دیکھنے کے وقت۔''

◇ "دُخُوْلِ الْاَسْوَاقِ"
''بازار میں داخلے کے وقت۔''

◇ "دُخُوْلِ الْبَيْتِ وَ الْخُرُوْجِ مِنْهُ"
'گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے نکلتے ہوئے۔'

◇ "نِسْيَانِ الْحَاجَةِ"
''کوئی بات بھولنے کے وقت۔''

◇ "وَقْتِ الْفَقْرِ"
''تنگ دستی کے وقت۔''

◇ "فِي الْبِدَايَةِ فِي الْعِلْمِ"
''کتاب شروع کرتے وقت۔''

◇ "فِي الْبِدَايَةِ فِي الْخُطَبِ"
''خطبہ دیتے وقت۔''

◇ "وَالْاِنْتِهَاءِ مِنْ مَجَالِسِ الْعِلْمِ"
''مجلس علم ختم ہونے کے وقت۔''

◇ "لِقَاءِ الْإِخْوَانِ وَالْاَحْبَابِ"

''دوست احباب کے آپس میں ملنے کے وقت۔''

◇ "فِیْ مُوَادَعَتِهِمْ وَمُفَارَقَتِهِمْ"

''ملتے وقت اور جدا ہوتے وقت۔''

◇ "مُدَارَسَةِ الْحَدِیْثِ النَّبَوِیِّ ﷺ"

''نبی ﷺ کی حدیث پڑھاتے وقت۔''

◇ "عِنْدَ تَذْكِرَتِهٖ ﷺ"

''آقا ﷺ کے تذکرے کے وقت۔''

◇ "عِنْدَ ذِكْرِ اَصْحَابِهٖ"

''نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر کے وقت۔''

◇ "عِنْدَ ذِكْرِ شَیْءٍ مِنْ مَاٰثِرِهٖ"

''نبی ﷺ سے منسوب کوئی بھی چیز ہو اس کے تذکرے کے وقت۔''

◇ "عِنْدَ دُخُوْلِ الْمَدِیْنَةِ"

''مدینہ میں داخل ہونے کے وقت۔''

◇ "عِنْدَ الْمُرُوْرِ عَلٰی قَبْرِهٖ ﷺ"

''جب بھی گنبدِ خضرا پر نظر پڑے (تو مومن کو چاہیے کہ اللہ کے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھے)۔'' (جلاء الافہام لابن القیم)

درود شریف کے فوائد:

درود شریف کے دنیا و آخرت میں بیشمار و بے حساب فوائد ہیں۔ مثلاً:

اِنَّهَا سَبَبٌ:

- "لِهِدَايَةِ الْمُصَلِّيْ وَحَيَاةِ قَلْبِهٖ"

"یہ پڑھنے والے کی ہدایت اور اس کے دل کے لیے حیات کا ذریعہ ہے۔"

- "لِزِيَادَةِ مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔"

- "لِزِيَادَةِ مَحَبَّةِ الْعَبْدِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"بندے کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھنے کا سبب ہے۔"

- "لِقُرْبِ الْعَبْدِ بِرَبِّهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"

"قیامت کے دن اللہ کے قرب کا سبب ہے۔"

- "لِقُرْبِ الْعَبْدِ مِنْ رَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرب کا ذریعہ ہے۔"

- "اِنَّهَا اَدَاءٌ لِشَيْءٍ مِّنْ حَقِّهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔"

- "سَبَبُ كِفَايَةِ اللّٰهِ عَبْدَهٗ مَا اَهَمَّهٗ"

"جو بندے کے غم ہوتے ہیں ان کے لیے اللہ کافی ہوجاتا ہے۔"

- "سَبَبُ مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ"

"اور گناہوں سے بخشش کا سبب ہے۔"

- "سَبَبُ اِجَابَةِ الدُّعَاءِ"

"دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔"

◈ "سَبَبُ نَيْلِ شَفَاعَتِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

"قیامت کے دن نبی ﷺ کی شفاعت ملنے کا سبب ہے۔"

◈ "سَبَبُ زَكَاةٍ وَطَهَارَةٍ لِلْمُصَلِّيْ"

"دل کی پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ ہے۔"

◈ "سَبَبُ تَطْيِيْبِ لِلْمَجَالِسِ"

"مجالس کے پاکیزہ ہونے کا ذریعہ ہے۔"

◈ "تُنْفِي عَنِ الْعَبْدِ صِفَةُ الْبُخْلِ وَ صِفَةُ الْجَفَاءِ"

"جو درود پڑھتا ہے بخیل نہیں ہوا کرتا اور نہ وہ بے وفا ہوتا ہے۔"

◈ "سَبَبٌ فِيْ اَنْ لَا تَكُوْنَ الْمَجَالِسُ حَسْرَةً وَّ نَدَامَةً عَلٰى اَصْحَابِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"یہ قیامت کے دن دوستوں کے ساتھ مجالس کی ندامت سے بچنے کا سبب ہے۔"

اور جو درود پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہ برکت کا سبب ہے، بندے کو عمل میں، عمر میں برکت نصیب ہوتی ہے۔

◈ "اِنَّهَا سَبَبٌ لِتَثْبِيْتِ الْقَدَمِ لِلْعَبْدِ عَلَى الصِّرَاطِ"

"درود شریف قیامت کے دن پلصراط سے باسلامت گزرنے کا سبب ہے۔"

اور ایک آخری بات:

◈ "اِنَّهَا سَبَبٌ لِثِقْلِ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ"

"قیامت کے دن میزان کے پلڑے کے بھاری ہوجانے کا سبب ہے۔"

چونکہ جو شخص درود شریف پڑھے تو اللہ اس درود شریف کو اتنا وزنی بنادیں گے کہ اس کا نیکی کا پلڑا گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہوجائے گا۔ (جلاء الافہام لابن القیم)

آخر درود شریف کام آئے گا:

ایک حدیث مبارکہ سن لیجیے، تاکہ بات مکمل ہو، اس کو ابن ابی الدنیا اور علامہ نمیری نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِاٰدَمَ علیہ السلام مِنَ اللّٰہِ عز و جل مَوْقِفًا فِیْ فَسْحٍ مِنَ الْعَرْشِ عَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ کَاَنَّہٗ نَخْلَۃٌ سَحُوْقٌ))

قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو عرش کے سامنے ایک مقام ملے گا، جہاں پر انہوں نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ لمبا قد ہوگا، ایسے لگے گا جیسے کٹی ہوئی شاخوں میں ایک کھجور کا درخت کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے لمبا قد عطا فرمائیں گے۔ وجہ کیا ہوگی؟

((یَنْظُرُ اِلٰی مَنْ یُّنْطَلَقُ بِہٖ مِنْ وَّلَدِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ، وَمَنْ یُّنْطَلَقُ بِہٖ اِلَی النَّارِ))

''وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کون جنت کی طرف چڑھ رہا ہے اور کون جہنم کی طرف جا رہا ہے۔''

وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کون کہاں جا رہا ہے۔ تو آدم علیہ السلام چونکہ تمام اولادِ آدم کے باپ ہیں، اللہ ان کو وہ جگہ عطا فرمائیں گے۔

((فَبَیْنَا اٰدَمُ عَلٰی ذٰلِکَ، اِذْ نَظَرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُنْطَلَقُ بِہٖ اِلَی النَّارِ، فَیُنَادِیْ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ: یَا اَحْمَدُ! یَا اَحْمَدُ!))

''آدم علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ جب وہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بندے کو دیکھیں گے کہ وہ جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ آدم علیہ السلام پکاریں گے: اے احمد! اے احمد!''

((فَيَقُولُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: لَبَّيْکَ يَا اَبَا الْبَشَرِ!))

''نبی ﷺ فرمائیں گے: اے بشر کے باپ! فرمایئے۔''

((فَيَقُولُ: هٰذَا الرَّجُلُ مِنْ اُمَّتِکَ يُنْطَلَقُ بِهٖ اِلَى النَّارِ))

''آدم علیہ السلام بتائیں گے کہ یہ آپ کا امتی ہے اور فرشتے اسے جہنم میں لے کر جارہے ہیں۔''

((قَالَ ﷺ: فَاَشُدُّ الْمِئْزَرَ))

''نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تہبند کو کس کر باندھ لوں گا۔''

دیہاتوں میں کسی کام کے لیے قدم اٹھانا ہو تو لوگ کہتے ہیں: جی تہبند کس کے باندھ لو اور چل پڑو۔ تو ارشاد فرمایا کہ میں اپنی تہبند کو مضبوطی سے باندھ لوں گا۔

((وَاَسْرَعُ فِيْ اَثَرِ الْمَلٰٓئِكَةِ))

''اور میں ملائکہ کے پیچھے تیزی سے چلوں گا (جو میرے امتی کو لے کر جہنم کی طرف جا رہے ہوں گے)۔''

((فَاَقُوْلُ: يَا رُسُلَ رَبِّيْ! قِفُوْا))

''میں یہ کہوں گا: اے میرے رب کے کارندو! ذرا رک جاؤ!''

((فَيَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ الْغِلَاظُ الشِّدَادُ الَّذِيْنَ لَا نَعْصِي اللهَ تَعَالٰى مَا اَمَرَنَا، وَنَفْعَلُ مَا نُؤْمَرُ))

''وہ آگے سے جواب دیں گے: ہم تو سخت گیر عمل کرنے والے لوگ ہیں، وہی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔''

((فَاِذَا اَيِسَ النَّبِيُّ ﷺ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى، وَاسْتَقْبَلَ

الْعَرْشَ بِوَجْهِهٖ، فَیَقُوْلُ: یَارَبِّ! قَدْ وَعَدْتَنِیْ اَنْ لَا تُخْزِیَنِیْ فِیْ اُمَّتِیْ))

''نبی ﷺ اب اس بات سے مایوس ہوں گے (کہ یہ تو کھڑے بھی نہیں ہو رہے، بات بھی نہیں سن رہے) اور اپنا بایاں ہاتھ اپنی داڑھی کے اوپر رکھ لیں گے اور اس طرح ہاتھ رکھ کر عرش کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرمائیں گے: اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری امت کے بارے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے؟''

یہ ایک عاجزی کا عمل ہوگا جو اللہ کے حبیب ﷺ اللہ کے سامنے کریں گے۔ اپنی ریش پر اپنا بایاں ہاتھ رکھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اللہ! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ امت کے معاملے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے۔

((فَیَأْتِی النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ الْعَرْشِ: اَطِیْعُوْا مُحَمَّدًا، وَرُدُّوْا هٰذَا الْعَبْدَ اِلَی الْمَقَامِ))

''عرش کے اوپر سے آواز آئے گی: اے میرے فرشتو! محمد کی اطاعت کرو اور اس بندے کو واپس میزان کے سامنے لے کر آؤ۔''

بندے کو واپس میزان پر لایا جائے گا۔

((فَیُخْرِجُ ﷺ بِطَاقَةً بَیْضَاءَ کَالْاَنْمِلَةِ، فَیُلْقِیْهَا فِیْ کَفَّةِ الْمِیْزَانِ الْیُمْنٰی، وَهُوَ یَقُوْلُ: بِسْمِ اللهِ))

''نبی ﷺ ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ نکالیں گے جو انگلی کے پورے کے برابر ہوگا۔ کاغذ کے ٹکڑے کو میزان کے دائیں پلڑے کے اندر ڈال دیں گے اور فرمائیں گے: بِسْمِ اللهِ''

((فَتَرْجَحُ الْحَسَنَاتُ عَلَی السَّیِّئَاتِ))

''نیکی کا پلڑا جھک جائے گا، گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔''

((فَیُنَادِی الْمُنَادِیْ: سَعِدَ وَسَعِدَ جَدُّهٗ، وَثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ، اِنْطَلِقُوْا بِهٖ اِلَی الْجَنَّةِ))

''پھر ایک پکارنے والا پکارے گا: یہ بندہ اور اس کا باپ سعادت پا گئے اور اس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، اس بندے کو جنت کے اندر لے کر جاؤ۔''

((فَيَقُوْلُ: يَارُسُلَ رَبِّي! قِفُوْا حَتّٰى اَسْئَلَ هٰذَا الْعَبْدَ الْكَرِيْمَ عَلٰى رَبِّهٖ))

''وہ بندہ یہ کہے گا: اے اللہ کے نمائندہ فرشتو! تھوڑی دیر رک جاؤ! میں اس کریم شخص سے پوچھ لوں، تعارف تو کرلوں کہ یہ کون ہستی ہے۔''

((فَيَقُوْلُ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ! مَا اَحْسَنَ وَجْهَكَ، وَ اَحْسَنَ خُلُقَكَ، مَنْ اَنْتَ؟))

''وہ کہے گا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے! آپ کے اخلاق کتنے اچھے ہیں اور پیارے ہیں! آپ کون ہیں؟''

((فَقَدْ اَقَلْتَنِيْ عَثْرَتِيْ، وَ رَحِمْتَ عَبْرَتِيْ))

''آپ نے میری لغزشوں کو کم کر دیا اور میرے غم کے اوپر آپ نے ترس کھالیا۔''

((فَيَقُوْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ: اَنَا نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ، وَ هٰذِهٖ صَلَاتُكَ الَّتِيْ كُنْتَ تُصَلِّيْ عَلَيَّ، وَ فَيْتُكَهَا اَحْوَجَ مَا تَكُوْنُ اِلَيْهَا))

(روح المعانی: ۸/ ۸۳)

''نبی ﷺ اس شخص کو جواب دیں گے: میں تمہارا نبی محمد ہوں اور یہ تیرا وہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا۔ یہ تمہیں اس وقت ملا جب تمہیں اس کی ضرورت ہے۔''

یہ قیامت کے دن انسان کے پلڑے کے بھاری ہونے کا سبب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آقا ﷺ کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دی
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دی

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

قرآن اور صاحبِ قرآن

قرآن اور صاحبِ قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (الم نشرح:۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

ربیع الاوّل کا مہینہ اپنے ساتھ بہت ساری یادیں وابستہ کیے ہوئے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ بھی اسی مہینے میں اور وفات شریفہ بھی اسی مہینے میں ہوئی۔ یوں تو پورا سال ہی نبی ﷺ کی سیرت کے بارے میں بیانات ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن ربیع الاول میں یہ یادیں اور بھی تازہ ہو جاتی ہیں۔

محبت کا تقاضا:

نبی ﷺ کو اللہ رب العزت نے محبوب کل جہاں بنا دیا۔ محبت کا یہ تقاضا ہے کہ محبوب کا تذکرہ ہر وقت ہوتا رہے۔ ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے۔ اس کی گفتگو میں اکثر اس کے اپنے بچے کی باتیں شامل ہوتی ہیں۔ آپ جتنی دیر اس کے پاس بیٹھیں گے وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے بچے کا تذکرہ کرتی رہے گی۔ نبی ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے

محبوب ہیں، اور اس لیے اللہ رب العزت کے کلام میں بھی جا بجا نبی ﷺ کے بارے میں تذکرے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آج ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن کی نظر میں صاحبِ قرآن کا مقام کیا ہے، تا کہ ان کی محبت ہمارے دل میں آ جائے۔

ہم جیسے ایک عام آدمی کے لیے اس عنوان پر بولنا ایک مشکل کام ہے۔ کہنے والوں نے کہا:

؎ ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

''اگر میں ہزار مرتبہ اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھولوں تو اے آقا! میرے لیے آپ کا نام لینا پھر بھی بے ادبی ہے۔''

جس ذات کی تعریفیں اللہ تعالیٰ نے فرمائیں، اس ذات کی بندہ کیا تعریفیں کر سکے گا؟ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

؎ فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

''اللہ کے حبیب ﷺ کے فضل و کمال کی کوئی حد نہیں ہے، پھر بندہ کس منہ سے آپ ﷺ کی توصیف بیان کرے؟'' (دیوان البوصیری: ص ۲۴۱)

تاہم توصیف کرنے والوں کی فہرست میں نام لکھوانے کی تمنا تو ہر مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ تو آیئے! ذرا قرآنِ مجید میں غور کرتے جایئے کہ اس سے نبی ﷺ کی کیا عظمت ہمارے سامنے کھلتی ہے۔

اندازِ تخاطب میں محبت کا پہلو:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مختلف انبیاء علیہم السلام کو خطاب فرمایا تو ان کا نام لے کر ان سے خطاب کیا۔ چنانچہ فرمایا:... یٰاٰدَمُ... یٰنُوْحُ... یٰزَکَرِیَّا... یٰاِبْرٰھِیْمُ... یٰمُوْسٰی... یٰعِیْسٰی... یٰدَاوٗدُ... یٰیَحْیٰی...... سب انبیاء علیہم السلام کا نام لے کر خطاب کیا، لیکن جہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ آیا، اللہ رب العزت نے ان کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا، بلکہ ان کی صفات کے ذریعے سے ان کو مخاطب فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ... یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ... یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ... یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ

ع اے کہ آراستہ بہ لباس پیغمبری

یہ اندازِ تخاطب ہی بتاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو کیا شان عطا فرمائی۔

محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا براہ راست دفاع:

انبیاء علیہم السلام جب بھی دنیا میں تشریف لائے تو کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے تھے۔ وہ مخالفت پر کھڑے ہو جاتے، وہ انبیائے کرام پر طرح طرح کے الزامات لگاتے تھے۔ جب بھی قوم نے الزام لگایا، اللہ رب العزت نے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں اس کا جواب دلوایا۔ قوم نے کہا کہ آپ تو گمراہ ہیں تو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

﴿یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ﴾ (الاعراف:٦١)

''اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں۔''

قوم نے کہا: آپ بے وقوف ہیں تو اس نبی کی زبان سے جواب دلوایا گیا:

﴿یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ﴾ (الاعراف:٦٧)

''اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں۔''

نبی ﷺ پر بھی قوم کے کچھ لوگوں نے الزامات لگائے۔ مثال کے طور پر: ایک شخص نے کہا: یہ مجنون ہے۔ تو اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جواب دلوانے کے بجائے براہِ راست خود جواب عطا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ (القلم:٢)

''اے میرے حبیب! آپ اللہ کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔''

یہاں محبت کا اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے خود براہ راست جواب عطا فرمایا۔

محبوب ﷺ کا وجد آفرین تذکرہ:

جب اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا تو گو نبی ﷺ ترتیب میں سب سے آخر میں تشریف لائے، مگر اللہ رب العزت نے تذکرہ کرتے ہوئے آپ کا ذکرِ مبارک سب سے پہلے فرمایا۔ سنیے قرآن عظیم الشان......! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ (الاحزاب:٧)

''اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی۔''

باقی انبیاء کا تذکرہ بعد میں کیا اور نبی ﷺ کا ذکر مبارک پہلے فرمایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو وجد میں آ کر کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! اللہ نے آپ کو کیا شان عطا فرمائی کہ اگرچہ آپ دنیا میں خاتم النبیین بن کر سب سے آخر میں تشریف لائے، لیکن جب اللہ رب العزت نے انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا تو آپ کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا۔

انبیائے کرام سے حضور ﷺ پر ایمان لانے کا عہد:

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اللہ رب العزت نے انبیائے کرام سے ایک عہد لیا۔ اس عہد و پیمان کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں کیا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾

(ال عمران:۸۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو (تم پر لازم ہے کہ) تم ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔''

﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ﴾

''فرمایا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟''

﴿وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ﴾

''اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟''

سب انبیاء نے کیا جواب دیا؟

﴿قَالُوْا اَقْرَرْنَا﴾

''سب نے عرض کیا: ہم نے اس بات کا اقرار کیا۔''

﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (آل عمران:۸۱)

''ارشاد فرمایا: تم بھی اس ملت پر ایک دوسرے کے گواہ رہو اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں رسول کا مصداق اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ اکبر!!!

اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اتنی نعمتیں بخشی ہیں کہ جن کو ہم گن بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل:۱۸)

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے۔''

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں، مگر کسی نعمت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر احسان نہیں جتلایا۔ یہ کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ میرے بندو! میں نے تمہیں آنکھیں دیں، میں نے تمہیں عقل کی نعمت دی، میں نے تمہیں پانی دیا، ہوا دی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت کا تذکرہ نہیں کیا، مگر ایک نعمت ایسی تھی کہ جس نعمت کو دے کر یوں لگتا ہے کہ خود دینے والے کو مزہ آ گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احسان جتلایا، فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (آل عمران:۱۶۴)

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ ان میں اپنے محبوب کو بھیج دیا۔''

اخلاق کریمانہ کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ کی تعریف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم:۴)

''اور اے میرے پیارے حبیب! آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔''

فضلِ عظیم کا تذکرہ:

نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی تذکرہ قرآن میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (النساء:۱۱۳)

''اے میرے پیارے محبوب! آپ پر اللہ رب العزت کا بڑا فضل ہے۔''

سارے جہانوں کے لیے رحمت:

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپالے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وجود نبوی کی برکات کافروں پر بھی:

اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کی برکات کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ (الانفال:۳۳)

''اے میرے پیارے حبیب! اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔''

پس منظر یہ تھا کہ کافر آ کر کہتے تھے کہ ہم آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آ جاتا، مگر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نبی ﷺ کی موجودگی میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے پیارے حبیب! اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ کے وجودِ مسعود کی برکت اتنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے بھی عذاب کو ٹال دیا تھا۔ اور آج بھی جس شخص کی زندگی میں نبی ﷺ کی سنتیں موجود ہوں گی اور جس قوم کے اندر نبی ﷺ کی تعلیمات زندہ ہوں گی، ان کی برکت سے اللہ اس فرد کو اور اس قوم کو اپنے عذاب سے نجات عطا فرما دیں گے۔

اطاعتِ نبوی کی عظمت کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی عظمت دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ رب العزت کی اطاعت کی۔''

مرتبہ اور مقام دیکھیے کہ نبی ﷺ کی اطاعت کرنے کو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ گویا تم نے میری اطاعت کی ہے۔

؎ اطاعت نبی کی ہے اطاعت خدا کی
منزل من اللہ پیام اللہ اللہ

نصرتِ خداوندی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب ﷺ کے مددگار تھے اور ان کے کاموں کو سنوارنے والے تھے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (الاحزاب:۴۸)

''اور آپ اللہ پر توکل کیجیے اور آپ کے لیے اللہ ہی وکیل کافی ہے۔''

آج دنیا میں کوئی آدمی مقدمہ جیتے تو وہ کہتا ہے کہ میرا وکیل بڑا سمجھدار تھا۔ اور جس کا وکیل اللہ رب العزت بن جائے، پھر تو کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔ اس لیے فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، نَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے کی مدد کی اور لشکروں کو اکیلے ہی شکست دی۔'' (مسند احمد، حدیث:۱۵۳۸۸)

سبحان اللہ! اللہ رب العزت کی کیسی تعریف فرمائی!!

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ﴾ (انفال:۶۲)

''وہ ذات جس نے اپنی مدد سے آپ کو مضبوط کیا۔''

مذاق اڑانے والوں کا انجام:

جو لوگ نبی ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پیارے حبیب!

﴿اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ (الحجر:۹۵)

''ہم آپ کا مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔''

آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی طرف سے ان لوگوں سے ہم نمٹیں گے، چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔ ابوجہل کا انجام دیکھیے، ابولہب کا انجام دیکھیے، عتبہ بن شیبہ کا انجام دیکھیے، ولید پلید کا انجام دیکھیے! یہ وہی لوگ تھے جو نبی ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے۔ بالآخر اللہ نے ان کا کیا ہی برا انجام کیا!

مجنوں کہنے والے کی سرزنش:

ایک شخص نے نبی ﷺ کو مجنون کہا۔ اس پر اللہ رب العزت کو اتنا جلال آیا کہ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا...... بالکل یوں لگتا ہے جیسے کسی ماں کے بیٹے کو کچھ کہہ دیا جائے تو جواب میں ماں ایک لفظ ہی نہیں کہتی، بلکہ شروع ہی ہو جاتی ہے، اس کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہوتا۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اس کو اتنا کچھ کہوں کہ اس کو سمجھ آ جائے کہ اس نے ایسی بات کیوں کی، اور آئندہ اسے ایسی بات کہنے کی جرات ہی نہ ہو......

چنانچہ جس شخص نے آپ ﷺ کو مجنون کہا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾

''اور آپ اطاعت نہ کیجیے قسمیں کھانے والے بیچ قسم کے انسان کی۔''

﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ﴾

''چغلی لے کر پھرنے والے کی۔''

﴿مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾

''خیر کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے والے کی۔''

﴿مُعْتَدٍ أَثِيمٍ﴾

''حد سے بڑھنے والے گناہگار کی۔''

﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ﴾

''یہ سب کہنے کے بعد یہ کہ وہ سخت مزاج بھی ہو اور بدنام زمانہ بھی ہو یعنی ولد الزنا ہو۔''

اللہ اکبر! آخر میں فرمایا: وہ تو زنا کی اولاد ہے۔ ایک لفظ کے جواب میں اللہ رب العزت نے کتنا طویل کلام فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کے اعداء پر اللہ رب العزت کا کس قدر غصہ ہوتا ہے...!

تسلی آمیز پیغامات:

دوسری طرف اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ فرمایا: اے میرے پیارے حبیب! آپ کے دشمن مکر کرتے ہیں جس سے آپ کا دل دکھتا ہے، آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، بلکہ:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا

يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾
(النحل: ۱۲۷۔۱۲۸)

''اور اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔''

جو لوگ آیات کے ترجمے سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں ان کو یہ آیات پڑھ کر لطف اور مزہ آتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اتنے پیارے انداز میں تسلی دی کہ پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کو آہستہ آہستہ اتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ (الفرقان: ۳۲)

''اس لیے کہ میرے محبوب! آپ کے دل کو تسلی مل جائے۔''

چنانچہ مخالفین جو مکر و فریب کرتے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ختم فرما دیتے تھے، سنیے قرآن عظیم الشان!...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ﴾ (الانفال: ۳۰)

''اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ منصوبے بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کرلیں۔''

﴿اَوْ يَقْتُلُوْكَ﴾

''یا تمہیں قتل کر دیں۔''

﴿اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾

''یا تمہیں (وطن) سے نکال دیں۔''

﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ﴾

''وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا۔''

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (الانفال:۳۰)

''اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔ قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة:٦٧)

''اے میرے پیارے حبیب! اللہ رب العزت آپ کو تمام انسانوں سے محفوظ رکھیں گے۔''

یعنی جو دشمن شر کی نیت سے آپ کے قریب آنے کی کوشش کرے گا تو آپ کا پروردگار آپ کی حفاظت کرے گا۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

محبوب کے زیرِ نظر رہنے کا مزہ:

پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں: اے میرے پیارے! آپ ہر وقت ہماری نگاہوں میں رہتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ جن کو محبت سے واسطہ پڑا ہو وہ سمجھتے ہیں کہ ہر وقت محبوب کے زیر نظر رہنا کس قدر لطف اور سرور کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور:۴۸)

''اے میرے پیارے حبیب! آپ اللہ کے لیے صبر کیجیے، آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔''

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت سنی تو کہنے لگیں:

''اے اللہ کے پیارے حبیب! اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا مقام دیا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔''......اللہ اکبر!!!

؎ آنکھوں میں بھر گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری زندگی اللہ رب العزت کی نظر میں رہے۔ اس کو کہتے ہیں:

؎ نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

سب سے بڑی خوش خبری:

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مرتبہ عطا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب!

﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾ (الضحیٰ:۴)

''اور آپ کا آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا۔''

یہ اتنی بڑی خوش خبری ہے کہ اس سے بڑی خوش خبری کوئی نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں بڑے لوگوں کو عروج ملتا ہے، لیکن عروج ملتے ہی ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے، مگر

نبی ﷺ کو یہ خوش خبری ملی:

''اے میرے پیارے حبیب! جو عروج آپ کو مل رہا ہے اس عروج کا زوال کبھی نہیں ہو گا۔ ہر آنے والا وقت آپ کی عزت کو، شرف کو، مقام کو پہلے سے بلند تر کرتا چلا جائے گا۔''

روزِ محشر عزتوں کے مستحق کون ہونگے؟

اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کا قیامت کے دن کے بارے میں بھی تذکرہ فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:۸)

''قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی ﷺ کو رسوا نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ جو ایمان والے ہوں گے ان کو بھی رسوا نہیں کریں گے۔''

ماں لوگوں کے سامنے اپنے بچے کو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتی کہ جس کی وجہ سے بچے کو سبکی ہو۔ اللہ رب العزت کو اپنے حبیب ﷺ سے محبت تھی۔ اس لیے آپ کو ایک تسلی دے دی گئی کہ آپ کو بھی قیامت کے دن عزتیں ملیں گی اور جو آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کو بھی اس دن عزتیں ملیں گی۔

اب یہاں ایک چھوٹی سی بات سمجھ لیجیے! اگر ماں کے پاس اس کے بچے کا فوٹو ہو، جو اس نے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ کے لیے بنوایا ہو، آپ اس ماں سے کہیں کہ جی! آپ اس فوٹو کو چولہے میں ڈال دیں، تو وہ ماں ایسا کرنے سے انکار کر دے گی۔ وہ کہے گی کہ میں اپنے بیٹے کو آگ میں کیوں ڈالوں......؟ ماں کو اپنے بیٹے سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اس کی تصویر کو بھی آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ کی صورت اور سیرت سے اتنی محبت ہے کہ جو شخص ان کی طرح سنت کا

لباس اور مسنون اعمال اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس ''تصویر'' کو بھی قیامت کے دن جہنم کی آگ میں نہیں ڈالیں گے۔

معراجِ نبوی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ملاقات کے لیے بلایا۔ اس کو ''معراج'' کہتے ہیں۔ اس کی مستقل تفصیلات ہیں۔ فرمایا کہ اتنا قرب ملا کہ

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ (النجم: ۸-۹)

''پھر آپ اتنے قریب تر ہوئے کہ دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔''

اللہ کے حبیب ﷺ نے تمام مدارج طے کیے، بالآخر آپ ﷺ کو ایسا مقام ملا جو ادراک سے پرے ہے اور قاب قوسین سے کم نہیں ہے۔

اور پھر فرمایا:

﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (النجم: ۱۸)

''تحقیق اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی نشانیاں دکھائیں۔''

تو نبی ﷺ کو معراجِ جسمانی نصیب ہوئی۔ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی کہ اللہ رب العزت نے ان کو معراج عطا فرمائی۔ ان کو بلا کر جنت بھی دکھائی اور جہنم بھی دکھائی...... اس کی وجہ کیا تھی......؟ اس کی بہت ساری وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کرنی ہے...... جس بندے نے جن مراحل کو پہلے نہ دیکھا ہوا ہو وہ ان مراحل میں دوسرے بندے کی صحیح مدد بھی نہیں کر سکتا۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ماں باپ کو حج کروانا ہو تو ایک سال پہلے خود جا کر حج کرتے ہیں، تاکہ انہیں پورے پراسس کا پتہ چل جائے۔ چنانچہ پھر وہ

بڑے اطمینان کے ساتھ ماں باپ کو لے جاتے ہیں اور انہیں اچھی طرح مناسکِ حج کرواتے ہیں...... اللہ تعالیٰ نے معراج اس لیے کروائی کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب ﷺ کو بتانا چاہتے تھے کہ اے میرے پیارے محبوب! آپ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، پلِ صراط کو دیکھیں گے، پھر جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت آپ کو اپنی امت کی شفاعت کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی، سبحان اللہ!

ے تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اللہ رب العزت ہمیں اپنے محبوب ﷺ کی کامل اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انعاماتِ الٰہی کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو انعامات عطا فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر:۱) ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔''

کوثر سے مراد ''خیرِ کثیر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی۔ اس خیرِ کثیر کے موضوع پر علماء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں کہ اس خیر کثیر کی تفسیر کیا ہے۔

ے وجل مقدار ما ولیت من رتب
و عذا ادراک ما اولیت من نعم

''اللہ کے حبیب ﷺ کو جو رتبے ملے ہیں وہ بہت عظیم الشان ہیں، آپ ﷺ کو جو نعمتیں ملی ہیں ہماری عقلیں ان کا ادراک نہیں کرسکتیں۔''

یہ تو ایسی باتیں تھیں جو قرآن مجید میں ذرا نمایاں انداز میں موجود ہیں۔ اب ذرا آگے چلیے!

جسمِ مبارک کے اعضاء کا ذکر:

قرآن مجید میں نبی ﷺ کے جسمِ مبارک کے مختلف اعضاء کا بھی تذکرہ فرمایا، جیسے ماں کبھی اپنے بیٹے کی آنکھ کی بات کرتی ہے، کبھی اس کے بولنے کی بات کرتی ہے، کبھی اس کے سننے کی بات کرتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی اسی طرح اپنے پیارے حبیب ﷺ کے جسمِ اطہر کے مختلف اعضاء کے تذکرے بھی قرآن مجید میں فرمائے۔ کیسی وہ ذات ہوگی، جس سے اللہ رب العزت نے اتنی محبت فرمائی! آیئے! آپ ﷺ کے ان اعضاء کا تذکرہ قرآن میں دیکھیے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے عجیب حسن عطا فرمایا، کہنے والے نے کہا:

؎ بات میں سناواں اک ایسے ماہ جبین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

چہرۂ انور کا تذکرہ:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

’’اے میرے پیارے حبیب! ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔‘‘

اب ذرا اس کی تفصیل سن لیجیے! جہاں محبت ہوتی ہے وہاں جی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ بار بار رابطہ ہو۔ بندہ رابطے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ جتنی ملاقات ہو وہ تھوڑی

نظر آتی ہے۔ چنانچہ مختلف انبیاء علیہم السلام پر جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آئے۔ کسی پر ایک درجن مرتبہ، کسی پر چند درجن مرتبہ اور کسی پر چند سو مرتبہ، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جبرئیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کا اترنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا اچھا لگتا تھا (چونکہ اللہ کی طرف سے میسج آتا تھا) کہ آپ ان کے انتظار میں کئی مرتبہ آسمان کو دیکھتے رہتے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے انتظار میں شوق سے آسمان کو دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب! آپ آسمان کی طرف جب چہرہ فرماتے تھے تو ہم اس وقت آپ کے چہرے کو محبت کے ساتھ دیکھ رہے ہوتے تھے۔

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾

مبارک آنکھوں کا تذکرہ:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ (الحجر:۸۸)

''اور تم ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لیے دے رکھی ہیں۔''

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں کیا گیا کہ اے پیارے حبیب! جو کچھ کافروں کو عطا کیا گیا ہے اس کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے، مگر اس آیت مبارکہ میں آنکھوں کا تذکرہ تو ہو گیا، یہ محبت کی وجہ سے تھا۔ ویسے بھی جو عضو اچھا لگتا ہے اسی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں:

''تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔''

مبارک کانوں کا تذکرہ:

آپ ﷺ کے مبارک کانوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ﴾ (التوبۃ:٦١)

''اور (ان کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ ''وہ تو سراپا کان ہیں۔'' کہہ دو کہ: وہ کان ہیں اس چیز کے لیے جو تمہارے لیے بھلائی ہے۔''

زبان مبارک کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی زبان مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ (القیٰمۃ:١٦)

''(اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے زبان کو نہ ہلایا کرو۔''

سینہ مبارک کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے سینے مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الانشراح :١)

''کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟''

سبحان اللہ! نبی ﷺ کے سینے مبارک کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

اب یہاں ایک نکتہ سن لیجیے......! محبت کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کسی سے محبت کرے۔ ایسی صورت میں اس کے ساتھ رویہ کچھ اور ہوتا ہے اور ایک پہلو یہ ہے کہ بندہ خود کسی سے محبت کرے۔ پھر محبوب کے ساتھ رویہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، سالک اور مجذوب۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ کے

دوستوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ ان کو اپنا ایڈریس دے دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اچھا بھئی! گھر آ کر مل لینا، لیکن اگر آپ کو اپنا بہت ہی پیارا اور قریبی دوست مل جائے اور وہ ملے بھی مدتوں بعد تو آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ چلو بھئی! میں آپ کو اپنے گھر لے جاتا ہوں۔ پہلے دوست کو ایڈریس بتا دیا اور دوسرے دوست کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر پہنچا دیا، یہ فرق ہوتا ہے سالک اور مجذوب میں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''اور جب موسیٰ آئے ہماری ملاقات کے لیے (کوہ طور پر)۔''

یہاں موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر آنے کا تذکرہ فرمایا۔ اور جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا تذکرہ ہوا، وہاں یہ نہیں کہا کہ وہ آئے، بلکہ فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ (الاسراء:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک (اپنی رحمت سے) لے کر گئی۔''

گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے جانے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے دعا مانگی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ (طٰہٰ:۲۵)

''اے پروردگار! میرے سینے کو کھول دیجیے۔''

وہ بھی اللہ کے نبی ہیں، کلیم ہیں، مگر ان کو دعا مانگنی پڑ رہی ہے، اور یہاں دعا کا تذکرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

''اے میرے پیارے محبوب! کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں نبی ﷺ کا کیا مقام ہے...!

پیٹھ مبارک کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی پیٹھ مبارک کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾ (الانشراح:۲۔۳)

''اور ہم نے آپ کے اوپر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔''

مبارک ہاتھوں کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ (الفتح:۱۰)

''(اے پیارے حبیب!) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں ان لوگوں کی بیعت اللہ سے ہو رہی ہے اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''

ظاہر میں تو نبی ﷺ کا ہاتھ اوپر تھا، مگر اندازہ لگایئے کہ یوں فرمایا کہ ان کے

ہاتھوں پر اللہ رب العزت کا ہاتھ ہے۔ خوش نصیب تھے وہ لوگ جن کے ہاتھ ایسی ہستی کے ہاتھ میں چلے گئے۔

؎ میرا دن چھپا کسی رات میں ، میری رات چھپی کسی ذات میں
میری زندگی اک راز ہے ، کوئی راز ہے میری ذات میں
میں جہاں کہیں بھی اٹک گیا وہیں گرتے گرتے سنبھل گیا
مجھے ٹھوکروں سے پتہ چلا ، میرا ہاتھ ہے کسی ہاتھ میں

وہ ہستیاں کتنی خوش نصیب تھیں جن کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں آ گئے...!

مبارک قدموں کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے مبارک قدموں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا﴾ (التوبۃ:۱۰۸)

''(اے میرے پیارے حبیب!) آپ وہاں بالکل کھڑے نہ ہوں۔''

یعنی آپ اس جگہ پر قدم ہی نہ رکھیے جہاں سے آپ کو منع کیا جا رہا ہے۔

لباس مبارک کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے لباس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (المدثر:۴)

''اور آپ اپنے لباس کو پاک رکھیے۔''

سر سے پاؤں تک تمام اعضاء کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا اور پھر جس لباس نے آپ ﷺ کی ذات پاک کو ڈھانپا تھا اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں فرما دیا۔ شاعر نے کہا:

''اے محبوب (ﷺ)! آپ جس لباس کو پہنتے ہیں، اس لباس کے پہننے سے آپ کے حسن میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ آپ جو لباس پہن لیتے ہیں، آپ کے پہننے کی وجہ سے اس لباس کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

اللہ رب العزت نے بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کے لباس کا تذکرہ فرمایا۔

کاشانۂ نبوت کا تذکرہ:

اب لباس کے بعد اور دائرہ پھیلایئے! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مبارک گھر کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَاتِ﴾ (الحجرات:۴)

''بے شک وہ لوگ جو آپ کو گھر کے باہر سے پکارتے ہیں۔''

نبی ﷺ کے مبارک حجروں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔

اہلِ خانہ کا تذکرہ:

گھر میں گھر والے ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے گھر والوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کے مانند نہیں ہو۔''

یعنی آپ کا مرتبہ اللہ کی نظر میں بڑا بلند ہے، بلکہ دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الاحزاب:۶)

''اور نبی کی بیویاں امت (کے لوگوں) کی مائیں ہیں۔''

نہ صرف قرآنِ مجید میں تذکرہ ہی ہوا ہے، بلکہ ان کو اللہ نے ماں کا رتبہ عطا فرما دیا ہے۔

اہلِ خانہ کی پاک دامنی کا تذکرہ:

پھران کی پاکدامنی کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔فرمایا:

﴿سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ (النور:١٦)

''یااللہ! آپ کی ذات ہرعیب سے پاک ہے، یہ توبڑازبردست بہتان ہے۔''

بنات اربعہ کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی بیٹیوں کا ذکربھی قرآن مجید میں ہے۔ارشادفرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے میرے پیارے نبی! آپ فرمادیجیے اپنی ازواج سے اوراپنی بیٹیوں سے۔''

بیٹوں کا تذکرہ:

دیکھو!اب بیٹوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے، بچوں کا تذکرہ بھی ہے۔فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ﴾ (الاحزاب:۴۰)

''محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔''

گویااس آیت میں نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے جوبچپن میں اللہ کو پیاراہوگیاتھا۔

اہلِ بیت کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے اہل بیت کا تذکرہ بھی ہے۔ارشادفرمایا:

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ

تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو!) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔''

مسجد نبوی کا تذکرہ:

پھر دیکھیے کہ گھر کے بعد آدمی کی نشست و برخاست مسجد میں ہوتی ہے۔ تو نبی ﷺ کی مسجد کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ کی بنیاد پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔'' (التوبۃ:۱۰۸)

مسجد کے نمازیوں کا تذکرہ:

پھر نبی ﷺ کے یاروں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، ارشاد فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہیں، آپس میں بالکل رحیم و کریم ہیں۔''

ان کی خاص خوبیاں گنوائی گئیں کہ یہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں بالکل رحیم و کریم ہیں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی نرم
رزم حق و باطل ہوتا فولاد ہے مومن

مہمانوں کی دعوت کا تذکرہ:

آپ ﷺ کے پاس مہمان آتے تھے اور وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ اس کھانے کی دعوت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ فرمایا:

﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''اور جب تم کھانا کھا چکو تو پھر (اپنے گھروں کو) چلے جاؤ۔''

اقربائے نبوی کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے اقرباء کا تذکرہ بھی قرآنِ مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ: ۲۳)

''میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی ﷺ کا تذکرہ بھی فرمایا اور آپ ﷺ کے متعلقین کا تذکرہ بھی فرمایا۔

علمِ نبوی کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے خصائل وفضائل کا تذکرہ بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کا تذکرہ فرمایا کہ اے میرے حبیب!

﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء: ۱۱۳)

''اور (اللہ نے) آپ کو وہ علم دیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔''

اور دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ (طٰہٰ: ۱۱۴)

''آپ کہہ دیجیے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ عطا فرمائیے۔''

حسنِ بیان کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے حسنِ بیان کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب!

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ﴾ (النحل:۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیے حکمت کے ساتھ اور اچھے انداز کے ساتھ۔''

چنانچہ نبی ﷺ کی باتوں میں جاذبیت تھی کہ جو بھی سنتا تھا اس کے دل میں وہ باتیں اتر جاتی تھیں۔ اس کو کسی شاعر نے یوں کہا:

؎ وہ جو شیریں سخنی ہے ، مرے مکی مدنی
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے ، مرے مکی مدنی
تیرا پھیلاؤ بہت ہے ، تیرا قامت ہے بلند
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے ، مرے مکی مدنی
نسل در نسل تری ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی ابن غنی ہے ، مرے مکی مدنی

نرم رُوئی کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی نرم روئی کا بھی قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''اگر آپ دل کے سخت اور ترش رُو ہوتے تو آپ کے گرد جمع یہ سب لوگ بھاگ جاتے۔''

تو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وہ جاذبیت اور میگناٹزم دیا تھا کہ جو بھی آتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نبی ﷺ کے قدموں کا غلام ہو جاتا تھا۔

صبر و تحمل کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے صبر و تحمل کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل:۱۲۸)

''اور آپ صبر کیجیے اور آپ کو صبر کی توفیق بھی اللہ ہی دے گا۔''

حیا کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی حیا کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِيْ مِنْكُمْ﴾ (الاحزاب:۵۳)

''اس چیز سے آپ کو ایذا تو پہنچتی ہے، مگر آپ حیا فرماتے ہیں۔''

یعنی آپ حیا کی وجہ سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی مبارک آنکھوں میں وہ حیا دیکھتی تھی جو مجھے مدینے کی کنواری لڑکیوں میں بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اللہ نے آپ کو ایسی باحیا آنکھیں عطا فرمائی تھیں۔

آدابِ نبوی کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے آداب کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا کہ تم میرے پیارے حبیب ﷺ کے آداب کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾
(الحجرات:۱)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے سامنے قدم بیشی نہ کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ﴾

''اور تم اپنی آواز بھی ان کے سامنے بلند نہ کرو۔''

﴿لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾

''تم اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو۔''

اگر بلند کر بیٹھو گے تو کیا ہوگا؟

﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۲)

''تمہارے کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیا جائے گا اور تمہیں اس بات کا شعور بھی نہیں ہوگا۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی اللہ تعالیٰ کو ہرگز قبول نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا بہت خیال رکھیں۔

تربیتِ نبوی کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت بھی فرمائی۔ اس کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (التوبۃ:۴۳)

''(اے پیغمبر!) اللہ تمہیں معاف کر دیا ہے، مگر تم نے ان کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (التحریم:۱)

''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے حلال کیا آپ اس کو قسم کھا کر اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں؟ اور وہ بھی اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

تو دیکھیے کہ قرآن مجید میں تربیت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

عفو و درگزر کا تذکرہ:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی طرف سے معافی اور درگزر کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

''اور آپ ان کو معاف کر دیجیے اور آپ ان کے لیے استغفار بھی فرمائیے۔''

نبی ﷺ کی ذات بابرکات میں معافی کا پہلو بہت غالب تھا۔ نبی ﷺ نے جب مکہ کو فتح فرمایا تو اس وقت ایک شخص عثمان بن طلحہ بیت اللہ کے کنجی بردار تھے، ان کے پاس بیت اللہ کی چابی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: عثمان! چابی لاؤ۔ چنانچہ عثمان نے چابی آپ ﷺ کے حوالے کر دی۔ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کا

دروازہ کھلوایا اور اندر تشریف لے گئے۔ اندر جا کر آپ ﷺ نے اللہ کی عبادت کی۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔

جب آپ ﷺ باہر آنے لگے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو بہت نمایاں شخصیتیں تھیں، جن میں سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم تھے، یہ سب قریب قریب تھے۔ ان کے دل میں ایک تمنا تھی کہ اللہ کے حبیب ﷺ بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کریں گے اور اب یہ چابی صاف ظاہر ہے کہ کسی کلمہ گو کو دیں گے، کافر کو تو نہیں دیں گے۔ تو اگر کسی کلمہ گو کو چابی ملنی ہے تو کیوں نہ یہ سعادت ہمیں مل جائے۔ اس لیے وہ قریب قریب تھے کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کا انتخاب ہو جائے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جب ان کو اتھارٹی ملتی ہے تو وہ ان کو نوازتے ہیں جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کا دروازہ بند کروالیا تو آپ ﷺ نے عثمان کو دوبارہ بلوایا اور فرمایا:

''عثمان! تم یاد کرو اس وقت کو جب میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے والا تھا، اس وقت میرا بڑا جی چاہتا تھا کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اللہ کی عبادت کروں اور میں نے اس وقت تم سے کہا تھا کہ عثمان! بیت اللہ کا دروازہ کھول دو، مگر تم نے کھولنے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ عثمان! ایک ایسا وقت آئے گا کہ جس پوزیشن میں اس وقت تم ہو، میں ہوں گا، اور جس میں میں ہوں، تم ہو گے۔ عثمان! دیکھو میرے اللہ نے میری بات کو سچا کر دیا۔ آج چابی میرے ہاتھ میں ہے اور تمہارے ہاتھ خالی ہیں، لیکن عثمان! میں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کروں گا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، میں یہ چابی تمہیں واپس دیتا ہوں اور یہ قیامت تک تمہاری نسلوں میں چلتی رہے گی۔''

نبی ﷺ کے حسنِ خلق کو دیکھ کر عثمان کی آنکھوں میں آنسو نکل آتے ہیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر در منثور: ۴/ ۴۹۵)

معاف کرنا اور درگزر کر دینا نبی ﷺ کی خاص شان تھی۔

مقامِ تفویض کا تذکرہ:

اللہ کے حبیب ﷺ کے مقامِ تفویض کا ذکر بھی قرآنِ مجید میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾ (المومن: ۴۴)

''اور میں اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

جہاد کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے جہاد کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی﴾ (الانفال: ۱۷)

''جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''

مقاصدِ بعثت کا تذکرہ:

نبی ﷺ کا دنیا میں تشریف لانے کا مقصد کیا تھا......؟ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

''اے نبی! بے شک ہم نے تمہیں ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ تم گواہی دینے والے، خوشخبری

سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہو، اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے، اور روشنی پھیلانے والے چراغ ہو۔''

حزن وغم کا تذکرہ:

اللہ کے محبوب ﷺ کے حزن اور غم کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (الشعراء:۳)

نمازِ تہجد کا تذکرہ:

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی تہجد کی نماز کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (الاسراء:۷۹)

''اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔''

دائرۂ عمل کا تذکرہ:

نبی ﷺ کے دائرۂ عمل کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو دنیا میں بھیجا:

﴿كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸)

''تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔''

چنانچہ جہاں تک خدا کی خدائی ہے وہاں تک مصطفیٰ کی مصطفائی ہے۔

فارغ اوقات کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے فارغ وقت کا ذکر بھی قرآن

مجید میں فرمادیا، چنانچہ ارشادفرمایا:

﴿فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارۡغَبۡ﴾ (الانشراح: ۷۔۸)

''جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوجائیں تو آپ اپنے رب کی یاد میں لگ جائیں۔''

امتِ نبوی کا تذکرہ:

نبی ﷺ کی امت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں ہے، ارشادفرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾

(البقرة: ۱۴۳)

''اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے، تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو۔''

محبتِ الٰہی کے حصول کا قرآنی طریقہ:

نبی ﷺ کا مقام دیکھیے! اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب! ان کو کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو

﴿فَاتَّبِعُوۡنِیۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

''تم میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کریں گے۔''

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں لڑکپن کی عمر میں اپنے مدرسے میں پڑھنے جاتا تھا۔ جب ایک گلی میں سے گزرتا تو ایک بوڑھی عورت مجھے دیکھتے ہی اپنے گھر لے جاتی، مجھے پیار کرتی اور مجھے کھانے پینے کی چیزیں دیتی، کبھی خرچ کرنے کے لیے کچھ پیسے بھی دے دیتی اور ہر بار کہتی کہ بیٹا! پھر بھی میرے پاس آنا۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ

میں اس وقت بچہ تھا اس لیے کچھ وقفہ کے بعد میں اس کے پاس چلا جاتا تھا۔ وہ ہر بار مجھے بہت زیادہ پیار کرتی اور کھانا بھی کھلاتی۔ ایک دن میں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ اماں! آپ مجھے اتنا پیار کیوں کرتی ہیں؟ آپ مجھے کھلاتی بھی ہیں، پلاتی بھی ہیں اور پیسے بھی دیتی ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ سن کر اس عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگی کہ بیٹا! میرا بھی ایک بیٹا تھا جو شکل و صورت میں بالکل تمہارے مشابہ تھا۔ میرا وہ بیٹا فوت ہو گیا۔ جب تم میری آنکھوں کے سامنے آتے ہو تو تمہیں دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا یاد آ جاتا ہے، جب میں تمہیں کھلاتی ہوں تو یہ تصور کرتی ہوں کہ جیسے میں اپنے بیٹے کو کھلا رہی ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح ماں اپنے بیٹے کی مشابہت دیکھ کر اس بچے سے پیار کرتی تھی اسی طرح جو شخص سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے گا، رفتار میں، گفتار میں، کردار میں، حتی کہ سب اعمال میں جب یہ بندہ اللہ کے سامنے قیامت کے دن پہنچے گا تو دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو جائیں گے۔

محبوبِ کل جہاں کی محبت کا تذکرہ:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی محبت کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب:۶)

''نبی مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔''

یعنی ان کو اپنے آپ سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی محبت انہیں اپنے محبوب سے ہے۔

اور واقعی یہی بات ہے کہ جس بندے کے دل میں ایسی محبت نہ ہو، اس کا ایمان کامل ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (بخاری، حدیث:۱۵)

''تم میں سے کوئی بندہ بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔''

کہنے والے نے کہا:

ع عجب چیز ہے عشقِ شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشقِ حقیقی کا زینہ
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کا ایسا عشق نصیب فرما دے۔ (آمین)

نبی رحمت ﷺ کے احباء کون؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ دعا مانگ رہے تھے: ''اللہ! مجھے میرے احبّاء سے جلدی ملا دینا۔''

آپ ﷺ کے ایک صحابی یہ دعا سن رہے تھے۔ جب آپ ﷺ دعا مانگ چکے تو وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب! ہم آپ کے غلام بے دام ہیں، ہم ہر وقت خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں، آپ کن لوگوں کے بارے

میں دعا مانگ رہے تھے کہ مجھے میرے چاہنے والوں سے جلدی ملا دیں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے میرے پیارے صحابی! تم میرے صحابی ہو اور تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے۔ تمہاری محبت کا میں قدردان ہوں، لیکن تم نے جبرئیل کو اترتے دیکھا، تم نے میرا دیدار کیا، تم نے قرآن اترتے دیکھا، تم نے اللہ کی مدد کو اترتے دیکھا، تمہاری محبت بھی قابل قدر ہے، لیکن قرب قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا کہ جب ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا، وہ فقط اپنے علما کی محفلوں میں بیٹھتے ہوں گے، ان سے وہ میرے تذکرے سنیں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو مجھ پر ایمان تو لائے، لیکن میرا دیدار نہیں کیا۔ میں ان اپنے چاہنے والوں کے لیے اداس ہوں اور میں دعا مانگ رہا ہوں: اللہ! مجھے ان چاہنے والوں سے جلدی ملا دینا۔''

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۶۰۰۷ کنز العمال، حدیث: ۳۷۹۱۳)

لہٰذا وہ خوش نصیب جن کے سینے نبی ﷺ کی محبت سے لبریز ہیں، ان کے لیے اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ دعائیں مانگی ہوئی ہیں۔

پُرانوار زندگی کی قسم:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں نبی ﷺ کی عمر مبارک کی قسم کھائی ہے، ذرا توجہ فرمایئے......! فرمایا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر:۷۲)

''(اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بدمستی میں اندھے بنے ہوئے ہیں۔''

نبی ﷺ کی مبارک زندگی، پھولوں سے زیادہ معطر اور پاکیزہ زندگی تھی، کامل اور مکمل زندگی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی پُرانوار زندگی کی قسم کھائی ہے۔

مبارک شہر کی قسم:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے شہر کی بھی قسم کھائی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○﴾ (البلد:۱۔۲)

''میں اس شہرِ مکہ کی قسم کھاتا ہوں اور آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔''

اب ذرا محبت کا اندازہ لگایئے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک کی بھی قسم کھائی اور جس شہر میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا اس شہر کی بھی قسم کھائی۔

محبوب ﷺ کا ذکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: اے میرے پیارے حبیب!

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الانشراح:۴)

''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند فرمایا۔''

اچھا، ذرا اس کی تفصیل سن لیجیے!

- ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ اذان میں
- ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ اقامت میں
- ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک نماز میں
- ...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر قرآن میں

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کا ذکر کتنا بلند فرمایا۔

چار دانگِ عالم میں ذکرِ نبوی کی گونج:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہمارے ملک میں فجر کی اذان ہوتی ہے تو پہلے مشرق کی سمت کے شہروں میں ہوتی ہے۔ پھر دس پندرہ منٹ کے وقفے سے مغرب کی سمت کے شہروں میں اذانیں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد اور آگے، پھر اور آگے۔ اس طرح آدھے پونے گھنٹے تک پورے ملک میں فجر کی اذانیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے ایک مسجد میں، پھر دوسری مسجد میں، پھر تیسری میں۔

سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور انڈونیشیا، ملائشیا اور اس کے جزائر میں صبح صادق کے بعد وہاں فجر کی اذانیں ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ فرض کریں کہ ان ملکوں میں آدھے گھنٹے تک فجر کی اذانیں ہوتی رہیں۔ جب وہاں فجر کا وقت ختم ہو گیا تو ان سے اگلے قریبی ملکوں میں فجر کا وقت شروع ہو گیا، وہاں مسلمانوں نے اذانیں دینا شروع کر دیں۔ پھر آگے سورج آیا تو اگلے ملکوں میں اذانیں آنا شروع ہو گئیں۔ تو جیسے جیسے سورج آگے چلتا گیا، سحر ہوتی گئی اور لوگ اذانیں دیتے گئے۔ اذانیں ہوتے ہوتے پھر ہمارے ملک پاکستان میں وقت آ گیا، یہاں اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ پھر اس کے مغرب میں متحدہ عرب امارات میں ایک گھنٹے کے فرق سے اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ سعودی عرب میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔ پھر آگے جائیں تو اور زیادہ فرق ہو جاتا ہے، یورپ اور ہمارا پانچ گھنٹے کا فرق ہے۔ اور اگر ملائشیا اور انڈونیشیا سے یہاں تک کا فرق دیکھا جائے تو یہ آٹھ دس گھنٹے کا فرق بن جاتا ہے۔

پتہ یہ چلا کہ ایک طرف سے اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ان لوگوں نے اذانیں

دیں، پھر اگلے لوگوں کے ہاں وقت ہو گیا اور انہوں نے شروع کر دیں، پھر اگلوں نے شروع کر دیں، یہ سلسلہ چلتے چلتے آٹھ دس گھنٹے پوری دنیا میں فجر کی اذانیں ہوتی رہیں۔ جب مغرب میں اذانیں ہو رہی تھیں اس وقت ادھر مشرق میں ظہر کا وقت ہو گیا اور انہوں نے ظہر کی اذانیں شروع کر دیں۔ اب ظہر کی اذان چلتی رہی۔ ابھی ظہر کی اذان ختم نہیں ہوئی تھی کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ ابھی عصر شروع ہو کر چلتی رہی کہ اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا پھر مغرب شروع ہوئی، چلتی جا رہی تھی کہ عشاء کا وقت ہو گیا۔ پھر عشاء کی اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔ ابھی عشاء کی اذانیں مغرب میں ہو رہی تھیں کہ مشرق میں پھر فجر کی اذانیں ہونا شروع ہو گئیں۔

معلوم ہوا کہ پوری دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ جہاں مسلمان اذان میں اللہ کا نام نہ بلند کر رہے ہوں اور اذان میں اللہ کے حبیب ﷺ کا تذکرہ نہ کر رہے ہوں۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾

''اے میرے پیارے حبیب! ہم نے آپ کا ذکر بلند فرما دیا۔''

ے نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے
بروزِ حشر جب نفسا نفسی کا سماں ہو گا
وہاں وہ کام آئیں گے جہاں کوئی نہ کام آئے

رضائے نبوی کی تکمیل:

سنیے! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب!

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

''اور عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''

جیسے دینے والا اتنا دے کہ لینے والے کے دامن سے بڑھ جائے تو وہ بس بس کرتا ہے، بالکل یہی مفہوم بنتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب! آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ بس بس کریں گے۔ جب یہ آیت اتری تو نبی ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میں آپ کو راضی کروں گا، اور یہ بھی بتلا دیا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میرا آخری امتی بھی جنت میں نہ چلا جائے گا۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ایسی دعا مانگنے کا اختیار دیا کہ جیسے مانگیں گے ویسے ہی قبول کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: مجھے بھی اختیار دیا گیا ہے، لیکن میں نے وہ دعا نہیں مانگی، میں نے اس کو قیامت کے دن کے لیے ذخیرہ بنا لیا ہے۔ میں اس دن دعا مانگوں گا اور امت کے ہر خطا کار کو لے کر جنت میں جاؤں گا۔ (ترمذی، حدیث: ۳۶۰۲) اللہ اکبر کبیرا!

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور مدحِ نبوی:

ہمارے اکابر نے نبی ﷺ کی تعریف میں ایسا جامع کلام کہا ہے کہ ایک ایک فقرے میں بات کو مکمل کر دیا۔ چنانچہ امامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کے پروردگار ہیں۔''

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت نے ایک ہی فقرے میں حمد اور نعت کو اکٹھا کر دیا۔ اللہ کی حمد بھی اس سے ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پروردگار ہیں اور نبی ﷺ کی عظمت بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کی عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کے پروردگار ہیں۔

خواجہ مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اور نعت نبوی:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت خواجہ مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے ایک ہی شعر میں پوری بات کو سمیٹ دیا۔ چنانچہ ذرا تمہید کے ساتھ وہ شعر سن لیجیے! حضرت فرماتے ہیں:

خدا در انتظار حمد ما نیست

''اللہ تعالیٰ ہماری حمد کے انتظار میں نہیں۔''

محمد چشم براہ ثنا نیست

''محمد ﷺ ہماری تعریف کے منتظر نہیں ہیں۔''

خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس

''اللہ رب العزت مصطفیٰ ﷺ کی مدح کرنے کے لیے کافی ہے۔''

محمد حامد حمد خدا بس

''محمد ﷺ اللہ کی حمد بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔''

منا جاتے اگر باید بیاں کرد

''اگر تم نے اپنی کوئی درخواست پیش بھی کرنی ہے تو۔''

بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

''پھر ایک شعر کی صورت میں پیش کر دو۔''

وہ شعر یہ ہے:

محمد از تو می خواہم خدارا

''اے محمد (ﷺ)! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کا قرب مانگتا ہوں۔''

خدایا از تو حبِ مصطفیٰ را

''اے اللہ! میں آپ سے مصطفیٰ کریم کی محبت مانگتا ہوں۔''

آیاتِ قرآنی اور حیاتِ نبوی کی حیران کن تطبیق:

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیاتِ قرآنی کی نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ساتھ عجیب انداز میں تطبیق فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید پڑھو تو یوں لگتا ہے:

ذات وصفات کی آیات......احوالِ نبوی

تکوین کی آیات......استدلالِ نبوی

توجہ الی اللہ کی آیات......خلوتِ نبوی

تربیتِ خلق کی آیات......جلوتِ نبوی

مہر کی آیات......جمالِ نبوی

قہر کی آیات......جلالِ نبوی

تجلیاتِ حق کی آیات......مشاہدۂ نبوی

ابتغاءِ وجہ اللہ کی آیات......مراقبۂ نبوی

ترکِ دنیا کی آیات......مجاہدۂ نبوی

احوالِ محشر کی آیات...... محاسبہ نبوی

نفی غیر کی آیات...... فنائیتِ نبوی

اثباتِ حق کی آیات...... بقائیتِ نبوی

نعیم جنت کی آیات...... شوقِ نبوی

عذابِ جہنم کی آیات...... خوفِ نبوی

انعام کی آیات...... انسِ نبوی

انتقام کی آیات...... حزنِ نبوی

لہٰذا اگر قرآن ایک طرف کلام اللہ ہے تو دوسری طرف سیرت رسول اللہ ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں مصطفیٰ کریم ﷺ کی محبت عطا فرما دے اور ان کی اتباع کامل کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

؎ مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ

لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

''میں نے اپنی بات کے ذریعے نبی ﷺ کی تعریف نہیں کی، بلکہ نبی ﷺ کے ذکر کے طفیل اپنی بات کو خوبصورت بنایا ہے۔''

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

احترامِ انسانیت

احترامِ انسانیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ آدَمَ﴾ (الاسراء:۷۰)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک خوبصورت پہلو:

ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا مہینہ ہے۔ ہمارے اکابر کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اس مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو کھول کھول کر بیان کرتے تھے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سنے اور نقش قدم پر چل کر اللہ رب العزت کی رضا حاصل کر سکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا ایک خوبصورت پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کو انسان کا احترام سکھایا۔ احترامِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ﴾ ''اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو احترام بخشا۔''

التکریم کا لغوی معنیٰ:

اکرام اور احترام قریب المعنیٰ الفاظ ہیں۔اسی طرح ایک لفظ تکْرِیم ہے۔اس کا مادہ ہے:''ک ر م''۔اس کا مطلب ہوتا ہے:

''شَرَفُ الشَّیئِ فِی نَفْسِہٖ''

''کسی چیز کے اندر شرف کا ہونا۔''

''القاموس الوحید'' کے مؤلف نے اس کا معنیٰ ''اعزاز'' لکھا ہے۔

الکریم کا مصداقِ حقیقی:

اللہ رب العزت کے اسماء میں سے ایک اسم مبارک ''اَلْکَرِیْمُ'' بھی ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَلْکَرِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ اِذَا قَدَرَ عَفَا، وَ اِذَا وَعَدَ وَفٰی، وَاِذَا اَعْطٰی زَادَ عَلٰی مُنْتَھَی الرَّجَآءِ، وَلَا یُبَالِیْ کَمْ اَعْطٰی، وَلِمَنْ اَعْطٰی''

''کریم وہ ہوتا ہے کہ جب غلبہ پالے تو وہ معاف کردے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب دے تو لینے والوں کی امیدوں سے بڑھ کے عطا فرمائے اور اسے اس بات کی بھی پروانہ ہو کہ وہ کس کو دے رہا ہے اور کتنا دے رہا ہے۔''

یعنی

- ......اپنے کو بھی دے، پرائے کو بھی دے،
- ......وفادار کو بھی دے، غدار کو بھی دے،
- ......نیکوں کو بھی دے، گناہگار کو بھی دے،

"وَاِنْ رُفِعَتْ حَاجَةٌ اِلٰی غَیْرِہٖ لَایَرْضٰی"

"اور اگر حاجت اس کے کسی غیر کے سامنے لے جائی جائے تو وہ ناراض ہو جائے۔"

یعنی وہ اس بات کو برا سمجھے کہ میرے غیر سے کیوں مانگتے ہو، مجھ سے لو۔

"وَاِذَا جُفِیَ عَاتَبَ، وَمَا اسْتَقْصٰی"

"اور اگر اس سے جفا کی جائے تو وہ عذاب تو دے، مگر عذاب کی انتہا نہ کرے۔"

"وَلَا یُضِیعُ مَنْ لَاذَ بِہٖ وَالْتَجَأَ وَیُغْنِیْہِ عَنِ الْوَسَائِلِ وَالشُّفَعَآءِ"

"اور جو بندہ اس کی پناہ لے اور التجا کرے تو اس التجا کرنے والے کو وہ وسائل اور سفارشیوں سے مستغنی کر دے۔"

جیسے اللہ رب العزت سے لینے کے لیے انسان ڈائریکٹ (بلاواسطہ) دعا مانگ سکتا ہے۔

"فَمَنِ اجْتَمَعَ لَہٗ جَمِیْعُ ذٰلِکَ لَا بِالتَّکَلُّفِ"

"جس میں یہ تمام صفات کسی تکلف کے بغیر جمع ہو جائیں۔"

"فَھُوَ الْکَرِیْمُ الْمُطْلَقُ"

"اس کو کریم کہتے ہیں۔"

"وَذٰلِکَ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی"

"اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔" (المقصد الاسنی: ص ۱۱۷)

صاف ظاہر ہے کہ یہ صفات اللہ رب العزت ہی کو سجتی ہیں۔

اَلتَّکْرِیْم کی اصطلاحی تعریف:

اَلتَّکْرِیْم کی اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

"تَکْرِیْمُ الْاِنْسَانِ ھُوَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ لَہٗ مِنَ الشَّرَفِ وَ الْفَضْلِ"

''اللہ رب العزت نے انسان کو شرف اور فضل عطا فرمایا، یہ اس کا احترام ہے۔''

(تفسیر القرطبی: ۱۰/ ۲۹۳، نضرۃ النعیم: ۴/ ۱۱۳۶)

تکریم انسانی کی چند مثالیں:

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو کیا شرف بخشا؟ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾

''اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو احترام بخشا۔''

اس احترام کی چند مثالیں سن لیجیے:

- ......خَلَقَهٗ بِيَدَيْهِ اللہ رب العزت نے انسان (حضرت آدم) کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔
- ......اَلصُّوْرَةُ الْحَسَنَةُ اللہ رب العزت نے انسان کو بہترین صورت عطا فرمائی۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾

- ......مَنَحَهُ الْعَقْلَ اللہ رب العزت نے اسے عقل کا نور عطا کیا۔
- ......مَنَحَهُ النُّطْقَ اللہ رب العزت نے اسے بولنے کی صفت عطا فرمائی۔
- ......اَكْرَمَهٗ بِالنِّعَمِ اللہ رب العزت نے نعمتوں سے اس کا اکرام فرمایا۔ کتنی نعمتیں؟

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾

''اور اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن بھی نہیں سکتے۔''

- ......اللہ رب العزت نے باقی تمام مخلوق کے اوپر اس کو فضیلت عطا فرمائی۔ مثلاً: انسان کو دو ہاتھ عطا فرمائے۔ باقی مخلوق ہاتھوں سے وہ کام نہیں کر سکتی جو انسان

اپنے ہاتھوں سے کر سکتا ہے۔

◇...... فَضَّلَهٗ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ

''اللہ تعالیٰ نے اسے بہت ساری مخلوقات پر فضیلت دی۔''

پھر اللہ رب العزت نے ان انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیارے رسولوں کو بھیجا۔ اس سے بھی اللہ رب العزت نے انسانوں کو احترام بخشا۔

◇...... حُبُّ اللّٰہِ لِلْاِنْسَانِ

''اللہ تعالیٰ کا انسان سے محبت کرنا۔''

پھر انسان کو ایسی صفات عطا فرمائیں جن سے اللہ رب العزت کو محبت ہے۔ چنانچہ:

محسنین سے محبت

توابین سے محبت

متقین سے محبت

متوکلین سے محبت

اللہ رب العزت کو ایسی صفات سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ صفات پیدا فرمائی ہیں۔

◇...... مَعِیَّۃُ اللّٰہِ لِلْاِنْسَانِ

''اللہ تعالیٰ کا ہر وقت انسان کے ساتھ ہونا۔''

انسان کو یہ شرف بخشا کہ ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔''

◆...... حِفظُ الْاِنْسَانِ

''انسان کی حفاظت فرمانا۔''

آج ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے طور پر دنیا میں آرام سے رہ رہے ہیں۔ہمیں اندازہ ہی نہیں...... ہزاروں ٹن مادہ اس زمین پر روزانہ باہر سے گرتا ہے، مگر اللہ رب العزت نے زمین کے گرد ایسے حصار بنا دیے ہیں کہ وہ مادہ وہیں پہ جل کے ختم ہو جاتا ہے اور انسان کو اس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

احترامِ انسانیت کے دو بنیادی اصول:

دینِ اسلام نے احترامِ انسانیت کے دو بنیادی اصول بتائے ہیں۔

◆......ایک بات یہ فرمائی کہ جب تم آپس میں ملو تو انسانوں کی طرح ملو! وہ کیسے؟ فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾(لقمان:۱۸)

کہ جب تو کسی سے ملے تو خندہ پیشانی سے مل۔ خَدّ کہتے ہیں گال کو۔تو فرمایا کہ تو گال پھلا کر نہ مل۔جیسے کئی لوگ جب غصے میں ملتے ہیں تو ان کا منہ پھولا ہوا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جب بھی تم کسی دوسرے انسان کو ملو تو شگفتہ چہرے کے ساتھ...... مسکراتے چہرے کے ساتھ...... ہنس مکھ ہو کر ملو۔اس لیے کہ تمہیں غصے میں دیکھ کر دوسرا بندہ دور بھاگے گا اور تمہارے چہرے پر محبت اور مسکراہٹ دیکھ کر دوسرا بندہ قریب آئے گا۔ اسے وحشت نہیں ہوگی۔اس اصول میں صرف مسلمانوں کی قید نہیں لگائی، بلکہ فرمایا: لِلنَّاس (تمام انسانوں کے لیے)۔یعنی جو بھی خدا کا بندہ ملے، قرآن مجید ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ جب بھی ہم اس سے ملیں تو شگفتہ چہرے سے ملیں۔

ایک ہوتا ہے ملنا اور ایک ہوتا ہے کسی سے محبت کرنا۔یہ دونوں الگ الگ چیزیں

ہیں۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں انسان خوشی اور غمی دوسرے بندے سے شیئر کرتا ہے۔ شریعت نے اس پر پابندی لگا دی کہ محبت صرف ایمان والوں سے رکھو۔ اس لیے کہ اگر کفار سے محبت رکھو گے تو تم ان کے عقائد کو بھی قبول کرلو گے۔ لہذا محبت کا تعلق فقط ایمان والوں سے رکھنے کی اجازت ہے۔ میل جول، لین دین اور تجارت ہر بندے سے کر سکتے ہیں۔

◇ ......دوسری بات یہ ارشاد فرمائی:

﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرۃ:۸۳)

''انسانوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو۔''

تمہارے الفاظ کا چناؤ ایسا ہو، تمہاری بات کا انداز ایسا ہو کہ وہ بات دوسرے کے دل میں اپنائیت پیدا کر دے۔ دوسرے کے دل میں محبت کے جذبات کو جگا دے۔

یہی دو چیزیں ہی تو ہیں جن کی وجہ سے انسان دوسرے کے بارے میں ایک تصور قائم کرتا ہے کہ یہ بندہ کیسا ہے۔ پہلا...... ملا کیسے؟ اور دوسرا...... بات کا انداز کیسے تھا؟ تو دیکھیں کہ شریعت نے کیسی اچھی بنیاد بنائی کہ انسان ہونے کے ناتے یہ دو کام تو تمہیں کرنے ہی ہیں کہ شگفتہ چہرے سے ملو اور جب بات کرو تو اچھے انداز سے بات کرو۔

◇ ......لہجہ نرم ہو،

◇ ......محبت اس میں ٹپکتی ہو،

◇ ......شرافت اس میں جھلکتی ہو۔

اگر ان دو اصولوں پر ہم عمل کرلیں تو لوگ ہمارے ساتھ ملنے جلنے میں وحشت اور اجنبیت محسوس نہیں کریں گے۔

دفعِ شر اور نفع رسانی کی تعلیم:

نبی ﷺ نے اس تعلیم کو اور زیادہ کھول کر بیان فرمایا۔

◈ ......آپ ﷺ نے ایک بات تو یہ بتلائی:

((تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ)) (صحیح ابن حبان، حدیث:۴۳۱۰)

''تو روک لے اپنے شر کو دوسرے انسانوں سے۔''

ہر بندے کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔ تو فرمایا کہ تم اپنا شر دوسرے انسانوں تک نہ پہنچاؤ۔ اس کو اپنے تک ہی رکھو۔ مثال کے طور پر: کئی مرتبہ بندہ چاہتا ہے کہ دوسرے کا مذاق اڑائے۔ شریعت کہتی ہے کہ یہ جو تمہارے اندر Temptation (تحریک) پیدا ہو رہی ہے تم اسے روکو۔ اگر تم دوسرے بندے کو اس طرح مجلس کے اندر ایذا پہنچاؤ گے تو یہ مناسب نہیں، لہٰذا اس شر سے دوسروں کو بچانا ہے۔

◈ ......بیوی اپنے شر سے خاوند کو بچائے،

◈ ......خاوند اپنے شر سے بیوی کو بچائے،

◈ ......بھائی اپنے شر سے بھائی کو بچائے،

◈ ......ساتھی اپنے شر سے ساتھی کو بچائے،

◈ ......طالب علم اپنے شر سے دوسرے طالب علم کو بچائے۔

شر تو ہر ایک میں ہے۔ ہم فرشتے نہیں ہیں، مگر اس شر سے دوسروں کو بچانا بھی ہے۔ یہ شر سے بچا لینا ایک عظیم عمل ہے۔

◈ ......اللہ کے محبوب ﷺ نے دوسری بات میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور فرمایا:

((اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰهِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ)) (کنز العمال، حدیث:۴۳۵۸۳)

''اللہ رب العزت کو اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اس کے بندوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔''

تو فرمایا کہ فقط شر سے ہی نہیں بچانا، بلکہ تمہارے اندر جو خیر ہے، جو نفع ہے، تم لوگوں کو وہ بھی پہنچاؤ۔ لوگ تم سے نفع پائیں۔ اب اس میں صرف مسلمانوں کا تذکرہ نہیں ہے...... لِلنَّاس...... جو اللہ کے تمام بندوں کے لیے نفع کا ذریعہ بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا ہی خوب صورت تعلیم عطائی فرمائی!

بہترین عمل:

نبی ﷺ نے اس کا ایک مرکزی نکتہ بھی سمجھایا، جس نکتہ نے سب انسانوں کو ایک بنا دیا...... وہ نکتہ کیا تھا......؟ ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ))

''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔''

((فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ))

''لہٰذا اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے سب سے اچھا وہ لگتا ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے والا ہو۔'' (شعب الایمان، حدیث: ۷۰۴۸)

اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے بھلا کرنا، یہ اعمال میں سے بہترین عمل ہے۔

انسانوں کا غم بانٹنے کی فضیلت:

اس عمل کا اندازہ ہمیں اس دن ہوگا جب ہم اللہ رب العزت کے حضور پہنچیں

گے۔ مسلم شریف کی روایت ہے: قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور ایک بندہ پیش ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے قیامت کے دن فرمائیں گے:

''اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی ہی نہیں کی۔''

اب یہ سوال سن کر وہ بندہ بڑا حیران ہوگا۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں آپ کی بیمار پرسی کیسے کرتا، آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تمہیں پتا نہیں تھا کہ فلاں بندہ بیمار ہے اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمہیں اس بات کا پتا نہیں تھا کہ اگر تو اس بندے کی عیادت کرتا تو تُو مجھے وہاں پالیتا......؟ اس بندے کی عیادت کرنے پر تجھے میری رضا ملتی، میرا تعلق اور میرا وصل نصیب ہوتا۔ اللہ اکبر کبیرا! کسی بیمار کی عیادت کرنا اللہ کو اتنا پسند ہے......! پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یَاابْنَ اٰدَمَ! اے آدم کے بیٹے!

((اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ))

''میں نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے مجھے کھانا ہی نہیں دیا۔''

وہ کہے گا: ''اے پروردگار! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا؟ آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''کیا تو نہیں جانتا کہ فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو نہیں کھلایا؟ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے وہاں پالیتا۔''

اے آدم کے بیٹے!

((اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ))

''میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔''

وہ کہے گا: ''اے پروردگار! میں آپ کو کیسے پانی پلا سکتا ہوں؟ آپ تو جہانوں کے پروردگار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے نہیں پلایا تھا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا تو مجھے وہاں پالیتا۔'' (مسلم، باب فضل عیادۃ المریض)

اس حدیث مبارکہ میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئیں:

- کسی بندے کی بیماری میں اس کی عیادت کرنا۔
- کسی کو کھانا کھلانا۔
- کسی کو پانی پلانا۔

یہ تینوں اتنے عظیم عمل ہیں کہ فرمایا کہ اگر تم یہ کام کرتے تو تم مجھے وہاں پالیتے۔ تو سوچیں کہ اللہ کے بندوں کے غم بانٹنا اللہ رب العزت کو کتنا پسند ہے۔ یہی تو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے ایک دوسرے کے ساتھ اپنے غم شیئر کریں۔ یہ نہیں ہے کہ ایک بندہ مصیبت میں مبتلا ہے اور دوسرے من مرضی کی زندگی گزارتے رہیں۔

مومن ایسا ہوتا ہے:

؎ خنجر لگے کسی کو تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مومن کو ہر ایک کا غم مغموم کرتا ہے۔ اسلام ہمیں اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔

؎ اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستاں کا ہر پیرو جواں بے تاب ہو جائے

یہ انسانیت ہے:

ایک انگریز مصنف تھا۔ اس نے ایک ناول لکھا۔ اس نے اس میں لکھا کہ آنے والے وقت میں سائنس اتنی ترقی کر لے گی کہ ہم بہتر مشینیں اور بہتر روبوٹ بنا لیں گے۔ ایسا روبوٹ بنائیں گے جو انسان سے دیکھنے میں بھی اعلیٰ، بولنے میں بھی اعلیٰ اور کام کرنے میں بھی اعلیٰ ہوگا۔ یعنی ہر لحاظ سے اعلیٰ ہوگا۔ تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور کہے گا: اے اللہ! آپ نے بندہ بنایا اور میں نے روبوٹ بنایا۔ دیکھیں کہ میرا روبوٹ سب سے بہتر ہے۔ سٹین لیس سٹیل کا بنا ہوا...... زنگ نہیں لگتا...... بوڑھا نہیں ہوتا...... خراب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! دکھاؤ کیسا ہے؟ وہ اپنے روبوٹ کو چلائے گا تو دو تین مشینیں چلنا شروع ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان میں کوئی خرابی پیدا کر دیں گے تو اس کا ایک پرزہ تھک کر ٹوٹ جائے گا۔ وہ مشین بند ہو جائے گی اور باقی چلتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم نے اپنی مشینوں کو دیکھ لیا ایک خراب ہوگئی اور باقی چلتی رہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے دو تین بندوں کو کھڑا کریں گے۔ پھر اللہ رب العزت ان میں سے ایک بندے کے پیٹ میں درد پیدا کر دیں گے۔ جب وہ بندہ درد سے کراہنے لگے گا تو دوسرے بندے اس کے قریب آئیں گے، پوچھیں گے کہ آپ کو کیا ہوا؟ آپ کو کہاں تکلیف ہے؟ کوئی پاؤں دبانے لگے گا، کوئی سر دبانے لگے گا، اور ان میں سے ایک کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے کہ یہ کتنی تکلیف میں ہے۔

اللہ رب العزت اس وقت بندے سے فرمائیں گے: دیکھا! میرے ایک بندے کو تکلیف پہنچی اور دوسرے بندے کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے، یہ انسانیت ہے۔

اس پر وہ بندہ تسلیم کرے گا کہ یا اللہ! تیرا بنایا ہوا بندہ میری اس مشین سے واقعی لاکھوں درجے بہتر ہے۔

اگر ہمارے اندر یہ ہمدردی نہیں، انسانی اخوت نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیار سے رہنا سہنا نہیں تو ہم میں اور مشینوں میں کیا فرق ہے؟ انسان کی فضیلت اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی کو شیئر کرنے کے جذبات رکھتا ہے۔ اور یہی اللہ رب العزت چاہتے ہیں۔

مخلوقِ خدا پر رحم کرنے کی تعلیم:

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلرَّاحِمُوْنَ، يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ، يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ))

”رحم کرنے والوں پر اللہ رب العزت رحم فرماتے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

یہ حدیث مبارکہ ”مسلسل بالاوّلیۃ“ کہلاتی ہے۔ جو محدثین حدیث کی تعلیم دیتے تھے وہ سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے تھے۔ کتنا پیارا مضمون ہے کہ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا!

؎ یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

ے خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسی کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ مُوسٰی: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ:))

''ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''

((لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تَرَاحَمُوْا))

''تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم رحم کرنے والے نہ بن جاؤ۔''

((قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کُلُّنَا رَحِیْمٌ))

''انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول! ہم تو سب کے سب رحم کرتے ہیں۔''

یہ صفت تو ہم میں موجود ہے۔

فرمایا: ''اس سے مراد تمہارا کسی دوست کے ساتھ رحیم بن کر رہنا نہیں، بلکہ اس سے مراد عمومی رحمت ہے۔'' (المستدرک للحاکم: ۴/۱۶۸)

گویا مومن کا مزاج عمومی طور پر رحمت والا ہونا چاہیے۔ جبار بن کے رہنا، دوسروں کے ساتھ فرعون بن کے رہنا، تکبر کے ساتھ رہنا، عجب کے ساتھ رہنا، یہ چیزیں اللہ رب العزت کو بہت ناپسند ہیں۔ فرمایا کہ تم اس وقت مومن بھی نہیں ہو سکتے جب تک تمہارے اندر یہ صفت نہ ہو۔ بعض لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم جب گھر میں

داخل ہوں تو بس کرفیولگ جانا چاہیے۔ بچے ڈر کے مارے ادھر اُدھر چھپ رہے ہوں اور بیوی کانپ رہی ہو۔

ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بلکہ

کس شیر کی آمد ہے کہ ''رن'' کانپ ''رہی'' ہے

مساواتِ عامہ کی تعلیم:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذریعے ہمیں بہت ہی خوب صورت تعلیم دی۔ وہ ہے ''مساواتِ عامہ''۔ کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ اس نسبت سے ہم سب ایک ہیں۔ نہ رنگ کی وجہ سے کسی کو فضیلت حاصل ہے نہ زبان کی وجہ سے...... آج کی دنیا چودہ سو سال گزرنے کے بعد اپنے آپ کو بڑی تعلیم یافتہ سمجھتے ہوئے کہتی ہے کہ SpeechDiserimination of Colour (رنگ اور زبان کا فرق) نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تعلیم آپ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے عطا فرما دی تھی۔ چنانچہ ''زادالمعاذ'' کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ))

''عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔''

((وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ))

''اور عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں۔''

((وَلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ))

''اور گورے کو کالے پر فضیلت حاصل نہیں۔''

((وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَبْیَضَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی))

''اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، ہاں! اگر کوئی فضیلت ہے تو پرہیز گاری کی وجہ سے ہے۔''

غلاموں سے حسنِ سلوک کی تعلیم:

ایک مرتبہ ایک عجیب سا واقعہ پیش آیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رنگ کا کالا تھا۔ وہ کوئی غلطی کر بیٹھا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو طعنہ دے دیا اور کہا:

((یَا ابْنَ السَّوْدَاءِ!)) ''اے کالی کے بیٹے!''

جیسے ماں کی طرف سے طعنہ دے دیتے ہیں۔ گویا حبشن کا بیٹا کہہ دیا۔ اس کا تذکرہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ: اَنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا، فَعَیَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ))

''ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک آدمی سے تلخ کلامی کی اور اس کو ماں کی طرف سے طعنہ دے دیا (کہ تو کالی کا بیٹا ہے)۔''

((فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یَا اَبَا ذَرٍّ! اَعَیَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ؟ اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاهِلِیَّةٌ))

''پس مجھے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو ماں کی طرف سے عار دلائی؟ تو ایسا بندہ ہے کہ تیرے اندر ابھی جاہلیت کی باتیں ہیں۔''

((اِخْوَانُکُمْ خَوَلُکُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ، فَمَنْ کَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْکُلُ، وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ، وَلَا تُکَلِّفُوْهُمْ مَا یَغْلِبُهُمْ، فَاِنْ کَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِیْنُوْهُمْ))

''یہ تمہارے غلام، تمہارے بھائی ہیں، ان کو اللہ نے تمہارا ماتحت بنایا ہے۔ تو جس کا کوئی غلام ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ جو خود کھائے اسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے اور ان کو ایسی تکلیف میں نہ ڈالے کہ وہ تکلیف ان پر غالب آجائے (یعنی ان پر ہمت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے) اور اگر کوئی ایسا بوجھ ڈالو تو تم ان کی مدد بھی کرو۔''

جب ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات سنی تو ان کو احساس ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے غلام کے پاس گیا اور میں وہاں لیٹ گیا۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا سر زمین کے اوپر رکھ دیا اور اس غلام سے کہا کہ جب تک تو میرے رخسار پر اپنا پاؤں نہیں رکھے گا، اس وقت تک میں زمین سے نہیں اٹھوں گا...... نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پانے کا حق ادا کر دیا...... حتی کہ غلام نے اپنا پاؤں ان کے رخسار پر رکھا، تب انہوں نے زمین سے اپنا سر اٹھایا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کی کیسی تربیت فرمائی!

حسنِ معاشرت کے زریں اصول:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مِل جُل کر رہنے کے بہت خوب صورت اصول بتائے۔

مثال کے طور پر:

◆ ......ارشاد فرمایا:

((یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا)) (بخاری، حدیث:٦٩)

''تم آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو، خوش خبری دو اور لوگوں کے اندر نفرت پیدا نہ کرو۔''

تو گویا ایک دوسرے کا لحاظ کرنا سکھایا۔

◆ ......ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا))

(اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری، حدیث:۵۱۰۰)

''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کھاتا اور بڑوں کا اکرام نہیں کرتا، وہ ہم میں سے ہی نہیں۔''

◆ ......یہ بھی فرمایا:

((اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ)) (ابوداود، حدیث:۴۸۴۴)

''تم لوگوں کو ان کے مرتبے کے مطابق اتارو۔''

یعنی اس بندے کے مرتبے کے مطابق اس سے ڈیلنگ کرو۔

◆ ......حتی کہ یہ بھی فرمادیا:

((اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْهُ)) (مسند البزار، حدیث:۵۸۴۶)

''اگر تمہارے پاس کسی قوم کا بڑا آجائے تو اس کا احترام کرو۔''

غور کریں کہ اس میں فقط مسلمان ہی کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ کسی بھی قوم کا بڑا آ سکتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کا اکرام کرو۔

اخوتِ انسانی کی تعلیم:

مسلمان معاشرے میں رہنے سہنے کا یہ سلیقہ بھی سکھا دیا کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہو۔

◆ ......چنانچہ ارشاد فرمایا:

((لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا))

''تم ایک دوسرے کے اندر برائی کی باتیں تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔''

◈ ......اور ارشاد فرمایا:

((وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا))

''اور تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو۔''

◈ ......اور فرمایا:

((وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (شعب الایمان، حدیث: ۶۷۰۳)

''اور اللہ کے بندو! تم بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔''

سبحان اللہ! یہ کیسا پیارا تصور ہے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور اس انسانی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

مذاق اڑانے کی مذمت:

کسی دوسرے بندے کا مذاق اڑانا اور مجلس میں اس کی بے حرمتی کرنا، یہ اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾

''تم میں سے ایک جماعت دوسری کا مذاق مت اڑائے۔''

ہم اسے سمجھتے ہی کچھ نہیں۔ (اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰه)

مذاق اڑانے والے کا اہانت آمیز انجام:

دوسروں کا مذاق اڑانے والوں کو کیا عذاب ہوگا......؟ ذرا توجہ کے ساتھ سنیے!

((عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ بِالنَّاسِ))

''حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ جو دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

بات بات پر ہنسنا، مسکرانا، اس کے عیب کا اشارہ کر دینا، مذاق کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ آگے فرمایا:

((یُفْتَحُ لِاَحَدِهِمْ بَابٌ مِنَ الْجَنَّةِ، فَیُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ! فَیَجِیئُ بِكَرْبِهٖ وَ غَمِّهٖ، فَإِذَا جَاءَ أُغْلِقَ دُوْنَهُ، ثُمَّ یُفْتَحُ لَهُ بَابٌ آخَرُ، فَیُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ! فَیَجِیئُ بِكَرْبِهٖ وَ غَمِّهٖ، فَإِذَا اَتَاهُ أُغْلِقَ دُوْنَهُ، فَمَا یَزَالُ كَذَالِكَ، حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ لَیُفْتَحُ لَهُ الْبَابُ، فَیُقَالُ لَهُ: هَلُمَّ هَلُمَّ، فَمَا یَأْتِیهِ))

(الصمت لابن ابی الدنیا، حدیث: ۲۸۵)

''ان مذاق اڑانے والوں میں سے ایک بندے کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آجاؤ آجاؤ ادھر سے جنت میں، پھر وہ اپنی تکلیف اور غم کے باوجود اس دروازے تک پہنچے گا۔ جب دروازے پر پہنچ جائے گا تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے لیے دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا: ادھر سے آجاؤ ادھر سے آجاؤ۔ جب وہ اپنی تکلیف اور غم کے ساتھ دوسرے دروازے پر جائے گا تو اس کو بھی بند کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ بار بار ایسا ہوتا رہے گا، حتی کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور یہ بندہ جنت کے دروازے کی طرف ہی نہیں بڑھے گا۔''

وہ جنت کے دروازے کی طرف اس لیے نہیں بڑھے گا کہ وہ سمجھ جائے گا کہ آج میرے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔ جو دنیا میں مذاق کرے گا آخرت میں اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کو کہتے ہیں: جَزَاءٌ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ ...... اسے کہا

جائے گا کہ تو لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کرتا تھا۔ جو تو نے بویا تھا آج اسے کاٹ لے گا۔ اس دن احساس ہوگا کہ میں اللہ کے بندوں کا مذاق کیوں اڑاتا تھا۔ اس لیے ہمیں دنیا میں آپس میں محبت و پیار سے رہنا چاہیے۔

جوامعُ الکلمِ:

اس سلسلے میں نبی ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی، جو جوامع الکلم میں سے ہے۔ وہ سونے کے پانی سے لکھنے والی بات ہے۔ اگر انسان اس پر عمل کرلے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے دنیا میں ہی جنت میں رہنے جیسا مزہ آنا شروع ہو جائے۔ ارشاد فرمایا:

((صِلْ مَنْ قَطَعَکَ))

''جو تجھ سے توڑے اس سے جوڑ۔''

((وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ))

''اور جو تمہیں نہ دے تو اسے دے۔''

((وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ))

''جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔''

(شعب الایمان، حدیث:۷۷۲۵)

اور ایک روایت میں فرمایا:

((وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ))(التفسیر المنیر: ۱۴/ ۲۱۷ سورۃ النحل)

''اور جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔''

یہ ولایت کی ایسی صفات ہیں جو اللہ کے حبیب ﷺ چاہتے تھے کہ یہ ہر مومن کے اندر پیدا ہو جائیں۔

انسانی رشتوں کے چار دائرے

ہمارے دنیا میں جو رشتے ہیں ان کا نیوکلیئس اور مرکزی نقطہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ پھر اس نیوکلیئس کے اردگرد مختلف دائرے ہیں۔ اب ان دائروں کی تفصیل سنیے!

(۱)......نسب کا دائرہ

جو دائرہ اس مرکز کے سب سے قریب ہے اس دائرے کو ''نسب'' کہتے ہیں۔ خونی رشتہ۔ ایک گھر کے اندر جو لوگ رہتے ہیں اور ان کے عزیز، اقرباء اور قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں، وہ اس نسب کے دائرے کے اندر داخل ہیں۔ شریعت نے ان سب کو پیار اور محبت سے رہنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ اب اس میں کون لوگ ہوتے ہیں؟ ماں باپ، اولاد، بہن بھائی، خاوند بیوی، بیٹا بیٹی، اقرباء۔ دین اسلام نے ایک ایک کی عزت کرنا سکھائی۔ مثال کے طور پر:

◈......ماں کے بارے میں فرمایا:

((اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ)) (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث:۱۱۴۷۶)

''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

◈......باپ کے بارے میں فرمایا:

((رِضَی الرَّبِّ فِی رِضَی الْوَالِدِ)) (ترمذی، حدیث:۱۸۹۹)

''باپ کی رضا میں اللہ کی رضا شامل ہے۔''

◈......بیوی کو خاوند کی عزت سکھائی۔ فرمایا:

((فَلَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا)) (اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری، حدیث: ۳۲۰۳)

''اگر میں مخلوق میں سے کسی ایک کو دوسرے کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

اتنا احترام سکھایا۔

◈ ......اور خاوند کو کیا سکھایا؟ ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ)) (المعجم الکبیر، حدیث: ۸۵۳)

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے اہل خانہ (بیوی) کے لیے بہتر ہے۔''

◈ ...... بیٹے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((رِيْحُ الْوَلَدِ مِنْ رِيْحِ الْجَنَّةِ)) (المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث: ۸۲۳)

''بیٹے کی خوشبو جنت کی خوشبو ہے۔''

◈ ...... بیٹی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى، فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ)) (ابوداود، حدیث: ۵۱۴۸)

''جس کی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور نہ ہی اس سے اہانت آمیز رویہ رکھے اور بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

◈ ...... بھائی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ كَحَقِّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ))

(کنز العمال، حدیث: ۴۵۴۷۳)

''بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر ایسا ہی حق ہے جیسے باپ کا بیٹے پر حق ہوتا ہے۔''

اس میں بھائی کو بھائی کا احترام سکھایا۔ اسی طرح اعزاء واقرباء کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ رہنا سکھایا۔ اس کو صلۂ رحمی کہا گیا کہ جہاں رشتہ داری ہو، وہاں تعلقات جوڑ کے رکھنے چاہییں۔ اس کا مرتبہ یہاں تک بنایا کہ اللہ تعالیٰ نے صلۂ رحمی سے فرمایا:

''جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا، جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔''

(صحیح ابن حبان، حدیث:۴۴۱)

اللہ رب العزت ایسے بندے کو ناپسند فرماتے ہیں جو قطع رحمی کرنے والا ہو۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ (البقرۃ:۲۷)

''اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا وہ ان رشتوں کو توڑ دیتے ہیں۔''

آج تو ان رشتوں کو توڑنے پر ایک منٹ بھی نہیں لگتا۔

- ...... بھائی بھائی سے کہہ دیتا ہے کہ میں نے آج کے بعد آپ سے نہیں بولنا۔
- ......بہن بھائی کو کہتی ہے،
- ......رشتہ دار رشتہ دار کو کہہ دیتا ہے۔

سالہا سال کا تعلق ہوتا ہے اور ایک لمحے کے اندر آنکھیں بدل لیتے ہیں۔ خون اتنا سفید ہو گیا...... بیٹا اپنے باپ کو بڑھاپے کے اندر چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جبکہ وہ اس کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔

(۲)...... جیران کا دائرہ:

نسب کے دائرے کے گرد ایک اور وسیع دائرہ ہے۔ شریعت نے اس کو جیران

(پڑوس) کا دائرہ کہا ہے۔ چنانچہ انسان کے گھر کے ساتھ چاروں طرف چالیس گھر پڑوس کے ضمن میں آتے ہیں۔ پورا محلہ ہی سمجھ لیں۔ یہ لوگ پڑوسی کہلاتے ہیں۔ شریعت نے پڑوسیوں کا مستقل حق بنا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

پڑوسیوں کو ایذا پہنچانے کی مذمت:

ایک حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَ اللّٰہِ! لَا یُؤْمِنُ، وَ اللّٰہِ! لَا یُؤْمِنُ، وَ اللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ))

''اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان والا نہیں۔''

اللہ کے حبیب ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا کہ وہ شخص مومن نہیں۔

((مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ)) (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۵۲۳۷)

''جس کا پڑوسی اس کی ایذا سے بچا ہوا نہیں۔''

اللہ کے حبیب ﷺ کا صرف کہہ دینا ہی کافی تھا۔ اس زبان فیض ترجمان سے، جس سے ہمیں قرآن ملا، ان الفاظ کا صادر ہو جانا، یہ کافی تھا۔ چہ جائیکہ تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے شر سے اس کے پڑوسی بچے ہوئے نہ ہوں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ، حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ))

(المعجم الکبیر، حدیث: ۷۶۳۰)

''جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کے بارے میں بتلانے کے لیے میرے پاس اتنا آتے رہے کہ مجھے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بندے کی

وراثت میں شامل کر دیا جائے گا۔''

تین قسم کے پڑوسی:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْجِیْرَانُ ثَلَاثَۃٌ: جَارٌ لَہٗ حَقٌّ وَّاحِدٌ، وَھُوَ اَدْنَی الْجِیْرَانِ، وَجَارٌ لَہٗ حَقَّانِ، وَجَارٌ لَہٗ ثَلَاثَۃُ حُقُوْقٍ))

''پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کا ایک حق ہوتا ہے اور یہ ادنی قسم کا پڑوسی ہے۔ ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے دو حق ہوتے ہیں، اور ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے تین حق ہوتے ہیں۔''

((فَاَمَّا الَّذِیْ لَہٗ حَقٌّ وَّاحِدٌ: فَجَارٌ مُشْرِکٌ لَا رَحِمَ لَہٗ، لَہٗ حَقُّ الْجِوَارِ))

''اور وہ بندہ جس کا ایک حق ہے وہ مشرک (کافر) پڑوسی ہے، اس کا صرف پڑوس کا حق ہے۔''

((وَاَمَّا الَّذِیْ لَہٗ الْحَقَّانِ: فَجَارٌ مُسْلِمٌ، لَہٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ، وَحَقُّ الْجِوَارِ))

''اور جس بندے کے دو حق ہیں وہ مسلمان ہے۔ اس کا ایک حق، اسلام کا حق ہے اور دوسرا حق پڑوسی کا حق ہے۔''

((وَاَمَّا الَّذِیْ لَہٗ ثَلَاثَۃُ حُقُوْقٍ: فَجَارٌ مُسْلِمٌ ذُوْرَحِمٍ، لَہٗ حَقُّ الْاِسْلَامِ، وَحَقُّ الْجِوَارِ، وَحَقُّ الرَّحِمِ)) (مجمع الزوائد: ۸/۳۰۰)

''جس پڑوسی کے تین حق ہوتے ہیں وہ پڑوسی مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی ہے۔ پس اس کا ایک اسلام کا حق ہے، دوسرا حق، پڑوسی کا حق ہے اور تیسرا حق، رشتہ داری کا حق ہے۔''

ایسے بندے سے خونی رشتہ تو نہیں ہوتا، مگر وہ کلمہ گو تو ہے۔

یعنی اگر کافر آدمی بھی پڑوس میں آجائے اور رہنا شروع کر دے، یہ دینِ اسلام

اتنا خوب صورت ہے کہ اس کا بھی ایک حق متعین کر دیتا ہے۔

(۳)......ایمان کا دائرہ:

جیران کے دائرے کے گرد ایک تیسرا دائرہ ''ایمان'' کا ہے۔ جتنے بھی کلمہ گو ہیں وہ سب ایک رشتے میں منسلک ہیں۔ نبی ﷺ پر ایمان لانے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ)) (بخاری، حدیث:۶۹۵۱)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔''

سیرتِ طیبہ سے اکرامِ مسلم کی چند مثالیں:

نبی ﷺ ایمان والے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔

- ......حیرت کی بات ہے کہ اگر کوئی نبی علیہ السلام کو بلاتا تھا تو آپ ﷺ اس کے جواب میں لَبَّیک ارشاد فرماتے تھے۔
- ......کوئی سائل آتا تو کبھی اس کو رد نہیں فرماتے تھے۔
- ......بوڑھوں کا لحاظ فرماتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کو کلمہ پڑھانے کے لیے لے کر آئے تو نبی علیہ السلام نے دیکھ کر ارشاد فرمایا: تم اپنے بوڑھے والد کو کیوں لائے، مجھے بتا دیتے، میں خود چل کر ان کے پاس چلا جاتا۔
- ......نبی علیہ السلام سونے سے پہلے سب کو معاف کر کے سوتے تھے اور کسی کے بارے میں کوئی نفرت دل میں نہیں ہوتی تھی، سینہ بے کینہ ہوتا تھا۔
- ......اللہ کے حبیب ﷺ کے دل میں ایمان والوں کا اتنا درد تھا کہ ایک روایت میں

آیا ہے کہ جس کے دل میں میری امت کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔

ے وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
غریبوں کا ملجا یتیموں کا ماوا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

ایک عجیب بات:

ایک عجیب بات سنیے! اس پر محدثین نے باب باندھا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ))

''نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو ایمان والا بندہ فوت ہوا اور اپنا مال چھوڑ کر جائے، تو یہ مال اس کے وارثوں کا ہوتا ہے۔''

سبحان اللہ! حیران ہوتے ہیں پڑھ کر...... کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ))

''میں ایمان والوں سے ان کی جانوں سے زیادہ عزیز ہوں۔''

((فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً، فَعَلَيْنَا قَضَاءُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ)) (بخاری، حدیث: ۶۷۳۱)

''جو ان میں سے فوت ہوا اور اس کے ذمے قرضہ ہو، اور وہ اتنا پیسہ نہ چھوڑ کر جائے کہ قرض ادا ہو سکے تو اس کا قرضہ ہمارے ذمے ہے۔ اور جو بندہ اپنا مال چھوڑ کر دنیا سے جائے، اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔''

نبی رحمت ﷺ کی رحمت بھری دعا:

نبی ﷺ نے ایک عجیب دعا فرمائی۔ آپ ﷺ بسا اوقات دوسرے بندے کو کوئی بات کبھی جمال سے سمجھاتے تھے اور کبھی جلال سے سمجھا دیتے تھے۔ جیسی طبیعت ہوتی تھی ویسی بات فرماتے تھے، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے لیے ایک عجیب دعا مانگی۔ وہ دعا کیا تھی؟

((بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: مَنْ اٰذَيْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكٰوةً وَّرَحْمَةً))

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ: اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ:))

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ! فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) (بخاری، حدیث: ۶۳۶۱)

''اے اللہ! اگر میں نے کسی مومن کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی، اس ڈانٹ ڈپٹ کو قیامت کے دن اس کے لیے اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔''

اللہ اکبر......! عقل حیران ہوتی ہے، اس محسنِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات کو دیکھ کر...... فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میں نے سمجھانے کے دوران کسی کے ساتھ کچھ سختی کر دی تو اس سختی کو بھی قیامت کے دن اس کے لیے رحمت اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔

(۴)......انسانیت کا دائرہ:

ایمان کے دائرے کے گرد ایک وسیع دائرہ ہے۔ وہ ہے انسان ہونے کا دائرہ۔ لہٰذا

انسان ہونے کے ناتے ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا)) (مسند احمد، حدیث: ۹۷۶۳)

''اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم احترام انسانیت سیکھیں۔ یہ نبی ﷺ کی تعلیمات میں سے ہے۔

احترامِ انسانیت کی انمول مثالیں:

اور اب سنیے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے احترامِ انسانیت کی کیا مثالیں قائم کر دی تھیں!

ایک یہودی کے جنازے کا احترام:

انسان زندہ لوگوں کا تو احترام کرتا ہی ہے، نبی ﷺ مُردوں کا بھی احترام فرماتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

((کَانَ سَھْلُ بْنُ حُنَیْفٍ وَ قَیْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَیْنِ بِالْقَادِسِیَۃِ، فَمَرُّوْا عَلَیْھِمَا بِجَنَازَۃٍ، فَقَامَا، فَقِیْلَ لَھُمَا: اِنَّھَا مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ، اَیْ: مِنْ اَھْلِ الذِّمَّۃِ، فَقَالَا: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّتْ بِہٖ جَنَازَۃٌ فَقَامَ، فَقِیْلَ لَہٗ: اِنَّھَا جَنَازَۃُ یَھُوْدِیٍّ، فَقَالَ: اَلَیْسَتْ نَفْسًا)) (بخاری، حدیث: ۱۳۱۲)

''(ایک مرتبہ) سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے قریب سے ایک جنازہ گزرا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں سے کہا گیا کہ یہ تو ایک کافر کا جنازہ ہے۔ ان دونوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کے قریب سے جنازہ گزارا گیا، آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کیا یہ ایک انسانی جان نہیں؟''

اللہ اکبر!!!......ایک یہودی کا جنازہ دیکھا اور آپ ﷺ شرفِ انسانیت کا لحاظ کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔ اگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک یہودی کے جنازے کا اتنا احترام فرمایا تو کیا ہم ایک زندہ انسان کا احترام نہیں کرسکتے؟ اور پھر وہ کلمہ پڑھنے والا بھی ہو اور اللہ کا نیک بندہ بھی ہو۔

ایک یہودی عالم کے ساتھ حسنِ سلوک:

یہودیوں کے ایک عالم تھے، جن کا نام زید بن سعنہ تھا، ان کا قصہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

((زَیْدُ بْنُ سُعْنَۃَ الْحِبْرُ اَحَدُ اَحْبَارِ یَھُوْدٍ، وَ مِنْ اَکْثَرِھِمْ مَالًا، فَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ، وَ شَھِدَ مَعَ النَّبِیِّ مَشَاھِدَ کَثِیْرَۃً، وَ تُوُفِّیَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ مُقْبِلًا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ))

''زید بن سعنہ یہود کے علماء میں سے ایک عالم تھے اور ان کے پاس مال بھی تھا۔ وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام بہت اچھا تھا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ کئی غزوات میں حصہ بھی لیا۔ جب وہ تبوک سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں ان کی وفات ہوگئی۔''

((رَوٰی عَنْہُ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ اَنَّہٗ قَالَ: لَمْ یَبْقَ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّۃِ شَیْئٌ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُہٗ فِیْ وَجْہِ مُحَمَّدٍ، حِیْنَ نَظَرْتُ اِلَیْہِ، اِلَّا اثْنَتَیْنِ لَمْ اُخْبَرْھُمَا))

''ان سے عبداللہ بن سلام نے یہ روایت کی کہ انہوں نے یہ کہا: جب میں نے نبی علیہ السلام کا چہرہ انور دیکھا تو میں نے آپ ﷺ میں نبوت کی تمام علامات دیکھ لیں، سوائے دو کہ جن کا مجھے پتہ نہ چل سکا۔''

وہ صفتیں کون سی تھیں؟ توراۃ میں لکھا ہوا تھا:

((مِنْہُ: یَسْبَقُ حِلْمُہٗ غَضَبَہٗ، وَ لَا یَزِیْدُہٗ شِدَّۃُ الْجَھْلِ عَلَیْہِ اِلَّا حِلْمًا))

''آخری نبی ﷺ کا حلم ان کے غصے پر غالب ہوگا، اور اگر اس کے ساتھ کوئی جہالت کا برتاؤ کرے گا تو ان کا حلم اور زیادہ بڑھ جائے گا۔''

فرماتے ہیں: یہ دو علامات ایسی تھیں جو مجھے ڈھونڈنی تھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

((فَکُنْتُ اَتَلَطَّفُ لَہٗ لِاَنْ اُخَالِطَہٗ، وَ اَعْرِفَ حِلْمَہٗ وَ جَھْلَہٗ))

''اب میں پلاننگ کر رہا تھا، تاکہ مجھے کوئی موقع ملے اور میں ان کے ساتھ میل جول کر سکوں کہ (معلوم ہو) ان کا حلم کتنا ہے۔''

((قَالَ: فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمًا مِنَ الْاَیَّامِ مِنَ الْحُجُرَاتِ، وَ مَعَہٗ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ، فَاَتَاہُ رَجُلٌ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ کَالْبَدَوِیِّ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ قَرْیَۃَ بَنِیْ فُلَانٍ قَدْ اَسْلَمُوْا، فَاِنْ رَاَیْتَ اَنْ تُرْسِلَ اِلَیْھِمْ بِشَیْئٍ تُعِیْنُھُمْ بِہٖ فَعَلْتَ، وَ قَدْ اَصَابَتْھُمْ سَنَۃٌ وَ شِدَّۃٌ، فَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئٌ قَالَ زَیْدٌ: فَدَنَوْتُ مِنْہُ، فَقُلْتُ: یَا مُحَمَّدُ! اِنْ رَاَیْتَ اَنْ تَبِیْعَنِیْ تَمَرًا مَعْلُوْمًا مِنْ حَائِطِ بَنِیْ فُلَانٍ اِلٰی اَجَلٍ کَذَا وَ کَذَا))

''کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام ایک دن اپنے حجرات میں سے نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک آدمی اپنی سواری پر آیا، جیسے دیہاتی ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے پیارے حبیب! فلاں بستی کے لوگ ایمان لے آئے، اگر آپ ان کو کوئی مدد بھجوانا چاہیں تو بھیج سکتے ہیں، ان کو قحط آ گیا۔ اس وقت اللہ کے حبیب ﷺ کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ زید کہتے ہیں: میں ذرا قریب ہوا اور کہا: اے محمد! اگر آپ کہتے ہیں تو فلاں باغ کی اتنی کھجوریں آپ مجھے بیچ دیں۔''

مقصد یہ تھا کہ پیسے میں ابھی دے دیتا ہوں، آپ مجھے کھجوریں دے دینا۔

((فَقَالَ: لَا يَا اَخَا يَهُوْدٍ! وَ لٰكِنْ اَبِيْعُكَ تَمَرًا مَعْلُوْمًا، وَلَا اُسَمِّیْ حَائِطَ بَنِیْ فُلَانٍ))

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! میں تمہیں کھجوروں کا اتنا وزن دوں گا، اس باغ کی کھجوروں کی شرط نہیں۔''

یہ ''بیع سلم'' کہلاتی ہے۔

((فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَبَايَعَنِیْ، وَ اَعْطَيْتُهٗ ثَمَانِيْنَ دِيْنَارًا، فَاَعْطَاهُ لِلرَّجُلِ، قَالَ زَيْدٌ: فَلَمَّا كَانَ قَبْلَ مَحَلِّ الْاَجَلِ بِيَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةٍ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ، وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ، فَلَمَّا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ اَتَيْتُهٗ، فَاَخَذْتُ بِمَجَامِعِ قَمِيْصِهٖ وَ رِدَائِهٖ، وَ نَظَرْتُ اِلَيْهِ بِوَجْهٍ غَلِيْظٍ، ثُمَّ قُلْتُ: اَلَا تَقْضِیْ يَا مُحَمَّدُ حَقِّیْ؟ فَوَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُكُمْ يَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَسَيِّئَ الْقَضَاءِ مُطْلًا، قَالَ: فَنَظَرْتُ اِلٰى عُمَرَ وَ عَيْنَاهُ تَدُوْرَانِ فِیْ وَجْهِهٖ، ثُمَّ قَالَ: اَیْ عَدُوَّ اللّٰهِ! اَتَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَا اَسْمَعُ! فَوَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ! لَوْ لَا مَا اُحَاذِرُ فَوْتَهٗ لَضَرَبْتُ بِسَيْفِیْ رَاْسَكَ، وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَنْظُرُ اِلٰى عُمَرَ فِیْ سُكُوْنٍ وَ تَبَسُّمٍ، ثُمَّ قَالَ: يَا عُمَرُ! اَنَا وَ هُوَ اِلٰى هٰذَا مِنْكَ اَحْوَجُ اَنْ تَاْمُرَهٗ بِحُسْنِ الْاِقْتِضَاءِ، وَ تَاْمُرَنِیْ بِحُسْنِ الْقَضَاءِ، اِذْهَبْ بِهٖ يَا عُمَرُ! فَاقْضِهٖ حَقَّهٗ، وَ زِدْهُ عِشْرِيْنَ صَاعًا مَكَانَ مَا رَوَّعْتَهٗ، قَالَ زَيْدٌ: فَذَهَبَ بِیْ عُمَرُ، فَقَضَانِیْ، وَزَادَنِیْ، فَاَسْلَمْتُ)) (اسد الغابۃ:۱/۴۰۰)

''میں نے کہا: چلو ٹھیک ہے۔ پس سودا ہو گیا اور میں نے آپ کو اسی دینار دے دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اسی دینار اس بندے کو دے دیے۔ اور فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لیے لے جاؤ۔ زید کہتے ہیں: ابھی مقررہ دن سے دو تین دن باقی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک انصاری صحابی کے جنازے کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب جنازہ پڑھ لیا تو میں آیا اور میں نے نبی ﷺ کے قمیص اور تہہ بند کے جوڑ سے پکڑ لیا اور میں نے بڑے غصے سے نبی ﷺ کو دیکھا۔ پھر میں نے کہا: اے محمد! کیا تم میرا حق نہیں دو گے؟ اللہ کی قسم! یہ عبدالمطلب کی اولاد کے لوگ قرضے کی ادائیگی میں بہت برے ہیں، یعنی ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ (اس نے جان بوجھ کر غصہ دلانے والی بات کی۔) کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور ان کی آنکھیں میری طرف لگ گئیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو اللہ کے حبیب کو یہ کہہ رہا ہے؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا! اگر مجھے اس حق کے فوت ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیرا سر اڑا کے رکھ دیتا۔ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بڑے سکون کے ساتھ اور مسکراتے ہوئے دیکھا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں اور وہ تیرے ایسے رویے کہ محتاج نہیں۔ یعنی تیرا رویہ اور ہونا چاہیے تھا۔ وہ یہ کہ تو اس سے کہتا کہ تو اچھی طرح سے اپنا قرضہ مانگ اور مجھے کہتا کہ جی آپ قرضے کی ادائیگی میں جلدی کریں۔ پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: اے عمر! جاؤ اور اسے اس کی کھجوریں دے دو اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا، اس لیے کہ تو نے اس کو دھمکی دی ہے۔ زید فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ گئے، انہوں نے مجھے کھجوریں دیں اور انہوں نے بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں، پھر میں نے اسلام قبول کر لیا۔''

اللہ اکبر کبیرا!...... اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ہمیں کفار کے ساتھ معاملات کا یہ سبق دیا۔

قحط زدہ کفار کے لیے خوش حالی کی دعا:

وہ کفارِ مکہ جنہوں نے نبی ﷺ کو اتنی ایذائیں پہنچائیں اور مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک کیا، ایک مرتبہ ان پر قحط آ گیا۔ وہ قحط اتنا شدید تھا کہ وہ لوگ چمڑا کھانے لگے، حتی کہ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بھوک کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ اگر کوئی بندہ آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسے دھواں نظر آتا تھا۔ عام دستور تو یہ ہے کہ دشمن کا یہ حال دیکھ کر انسان خوشیاں مناتا ہے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہوا یہ کہ

((فَاَتَاهُ اَبُوْ سُفْيَانَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اِنَّکَ تَاْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، وَاِنَّ قَوْمَکَ قَدْ هَلَکُوْا فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ))

''ابوسفیان نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے محمد! آپ اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کی قوم ہلاک ہونے کے قریب ہو چکی ہے۔ آپ اللہ سے ان کے لیے دعا کر دیں۔''

حدیث پاک میں آیا:

فَدَعَاهُمْ ''اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے لیے دعا فرما دی۔''

(جامع الاصول، حدیث:۴۲۹۱)

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے مکہ والوں پر قحط ختم کر دیا۔

کفار مکہ کے لیے غلے کی ترسیل:

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ یمامہ میں رہتے تھے۔ ان کی طرف سے مکہ والوں کو گندم آیا کرتی تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کو پتہ چلا کہ مکہ

والے نبی ﷺ کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد گندم کا ایک بھی دانہ ادھر سے مکہ والوں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ مکہ والے مصیبت میں پڑ گئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ مکہ میں آئے تو کہہ دیا:

((لَا تَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم، زَادَ ابْنُ هِشَامٍ: ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْيَمَامَةِ، فَمَنَعَهُمْ اَنْ يَحْمِلُوْا اِلٰى مَكَّةَ شَيْئًا))

''جب تک میرے محبوب ﷺ اجازت نہ دیں گے یمامہ سے گندم کا ایک بھی دانہ نہیں آئے گا۔ اور ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ پھر یہ یمامہ کی طرف گئے اور وہاں کے لوگوں کو مکہ کی طرف کوئی چیز بھی بھیجنے سے منع فرما دیا۔''

((فَكَتَبُوْا اِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم: اِنَّكَ تَأْمُرُ بِصِلَةِ الرَّحِمِ))

''مکہ والوں نے نبی علیہ السلام کے نام ایک رقعہ لکھا کہ آپ تو رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں (ہماری گندم بند ہو گئی ہے اور ہم بھوک کی وجہ سے مرنے لگے ہیں، آپ رحم فرمائیں۔)

((فَكَتَبَ اِلٰى ثُمَامَةَ اَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهُمْ، وَبَيْنَ الْحَمْلِ اِلَيْهِمْ))

(فتح الباری لابن حجر: ۸/۸۸)

''پھر نبی ﷺ نے ایک مکتوب لکھا کہ اے ثمامہ! ان کی گندم نہ روکو۔''

چنانچہ اللہ کے حبیب ﷺ کے کہنے پر مکہ والوں کی گندم دوبارہ شروع ہو گئی۔ نبی علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ Respect of Humanity. (احترامِ انسانیت) کی وجہ سے۔

حاتم طائی کی بیٹی سے حسنِ سلوک:

حاتم طائی کی بیٹی جب نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئی، اس وقت وہ کافرہ تھی، مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کیا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((اَصَابَتْ خَیْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِبْنَةَ حَاتِمٍ، فَقُدِمَ بِهَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی سَبَایَا طَیِّئٍ، فَجُعِلَتْ ابْنَةُ حَاتِمٍ فِی حَظِیْرَةٍ بِبَابِ الْمَسْجِدِ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ، فَقَامَتْ اِلَیْهِ، وَ کَانَتِ امْرَاَةً جَزْلَةً، فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! هَلَکَ الْوَالِدُ وَ غَابَ الْوَافِدُ، فَامْنُنْ عَلَیَّ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکَ، قَالَ: مَنْ وَافِدُکِ؟ قَالَتْ: عَدِیُّ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ: الْفَارُّ مِنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِهٖ، ثُمَّ مَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ تَرَکَنِیْ حَتّٰی مَرَّ بِیْ ثَلَاثًا، فَاَشَارَ اِلَیَّ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِهٖ اَنْ قُوْمِیْ فَکَلِّمِیْهِ، فَقُمْتُ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! هَلَکَ الْوَالِدُ وَ غَابَ الْوَافِدُ، فَامْنُنْ عَلَیَّ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکَ، قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ، فَلَا تَعْجَلِیْ حَتّٰی تَجِدِیْ ثِقَةً یُبَلِّغُکِ بِلَادَکِ، ثُمَّ اٰذِنِیْنِیْ فَسَئَلْتُ عَنِ الرَّجُلِ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَیَّ فَقِیْلَ: عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ قَدِمَ رَکْبٌ مِنْ بَلِیٍّ، فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْتُ: قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ قَوْمِیْ قَالَتْ: فَکَسَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ حَمَلَنِیْ، وَ اَعْطَانِیْ نَفَقَةً فَخَرَجْتُ حَتّٰی قَدِمْتُ الشَّامَ عَلٰی اَخِیْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ فَقَالَ لَهَا عَدِیٌّ: مَاتَرَیْنَ فِیْ اَمْرِ هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَتْ اَرٰی اَنْ تَلْحَقَ بِهٖ)) (اسد الغابة: ۱/ ۱۳۶۵)

''جب قبیلہ طے کے لوگ گرفتار ہوئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ مسجد کے دروازے کے سامنے ایک جگہ تھی وہاں

حاتم طائی کی بیٹی کو الگ رکھا گیا۔ اللہ کے حبیب ﷺ اس کے قریب سے گزرے تو وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ بڑی سمجھدار عورت تھی، وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے والد فوت ہوگئے ہیں اور میرا محافظ بھائی بھی قریب نہیں ہے، میرے اوپر احسان کیجیے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تیرا محافظ کون ہے؟ کہنے لگی: (میرے بھائی) عدی بن حاتم۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہونے والا۔ (چونکہ عدی بن حاتم اس مقابلے سے پہلے ہی فرار ہوگیا تھا اس لیے اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے لیے یہ فرمایا۔) وہ کہتی ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا، حتی کہ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ میں نے تین مرتبہ درخواست کی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ خاموش ہوکر چلے جاتے تھے۔ پیچھے ایک بندہ تھا اس نے مجھے اشارہ کیا کہ کھڑی ہو اور پھر بات کرلے۔ میں پھر کھڑی ہوگئی اور (چوتھی مرتبہ) کہا: اے اللہ کے رسول! میرے والد فوت ہوگئے ہیں اور میرا محافظ بھائی قریب نہیں ہے۔ میرے اوپر احسان کیجیے، اللہ آپ پر احسان کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے تیری درخواست منظور کرلی ہے، جلدی نہ کر، کوئی ایسا بندہ ڈھونڈ جو تجھے تیرے گھر حفاظت سے پہنچادے۔ (یعنی اللہ کے نبی ﷺ اسی وجہ سے خاموش تھے کہ کوئی ایسا بندہ نہیں مل پارہا تھا، کیونکہ وہ ایک عورت تھی اور اس کو بھیجنا بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔ اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کی حفاظت ضروری تھی۔) چنانچہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں کوئی ایسا بندہ مل جائے تو پھر مجھے بتادینا۔ پھر میں نے اشارہ کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھا: بتایا گیا کہ وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ آخر سواروں کا ایک اور وفد بھی گرفتار ہوکر پیش ہوا۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میری قوم کے کچھ بااعتماد

بندے آ گئے ہیں۔ وہ کہنے لگیں: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے کپڑے بھی دیے، مجھے سواری بھی دی اور جانے کا خرچ بھی دیا۔ پھر میں وہاں سے نکلی، حتیٰ کہ میں شام میں اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس پہنچ گئی۔ تو عدی نے اس سے پوچھا کہ اس بندے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کہنے لگیں: میں چاہتی ہوں کہ تو بھی ان کے غلاموں میں شامل ہو جا۔“

چنانچہ عدی بن حاتم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

کافر لڑکی کے سر پر نبی رحمت (ﷺ) کی چادر:

جب قبیلہ طے کا قافلہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس وقت ایک نوجوان لڑکی کا بچہ گم ہو گیا۔ وہ ماں تھی اور بھاگتی پھر رہی تھی کہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ اس حالت میں اس کے سر سے چادر بھی اتر گئی۔

وہ اچانک نبی ﷺ کے سامنے آ گئی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنی چادر مبارک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ اس لڑکی کو دے دو، تاکہ وہ سر ڈھانپ لے۔ وہ صحابی کہتے ہیں: اے اللہ کے نبی! وہ تو ایک کافر کی بیٹی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اگرچہ کافر کی بیٹی ہے، مگر بیٹی تو ہے، آج اگر تو اس کے سر کو ڈھانپے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تیرے عیبوں پر رحمت کی چادر عطا فرما دیں گے۔“

احترامِ انسانیت کا یہ درس اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا۔

ذمیوں سے حسن سلوک کا حکم:

یہ بھی فرمایا گیا:

((اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ دِمَائِهِمْ))

(اتحاف الخیرۃ المھرۃ للبوصیری:۱/۲۴۳)

''مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کی جانیں اوران کے مال محفوظ ہوں۔''

حتیٰ کہ کافر لوگ مسلمانوں کے معاشرے میں رہتے ہیں اوران کوذمی کہتے ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم فرمایا۔اوراگر کوئی ایسے بندے کو بلاوجہ مارے تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَ اِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا)) (بخاری، حدیث:۳۱۶۶)

''جوکسی ذمی کوقتل کردے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے ہی آجاتی ہے۔''

ایک حدیث مبارکہ میں اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی:

((اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، اَوِ انْتَقَصَهُ، اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ، فَاَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)) (ابوداود، حدیث:۳۰۵۲)

''خبردار! جوکسی ذمی پر ظلم کرے، یا اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے، یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے، میں قیامت کے دن اس کافر کا وکیل بنوں گا (اس ایمان والے سے اس کا حق دلوا کر رہوں گا)''

حرفِ آخر:

احترامِ انسانیت کا جو درس نبی ﷺ نے عطا فرمایا، وہ انسانوں میں یقیناً کسی اور نے نہیں دیا۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا لے کر آخری پیغام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو بندوں کو فرشتوں کے سلام آئے

اللہ رب العزت ہمیں بحیثیتِ انسانیت ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بحیثیتِ مسلمان ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بحیثیت رشتہ دار ایک دوسرے کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

سنت نبوی اور جدید سائنس

سنت نبوی اور جدید سائنس

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس:۹)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

دنیا امتحان گاہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا، اس کے اندر خیر کا مادہ بھی رکھ دیا اور شر کا مادہ بھی رکھ دیا۔ شیطان بہکانے والا بن گیا، جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام خیر کے راستے پر بلانے والے بن گئے۔ اسی کو کہا گیا ہے کہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ یہ سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، امتحان گاہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے اسے چراگاہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک)

''موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ (ہم دیکھیں) تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

اور فرمایا کہ جب ہم نے انسان کو پیدا کیا

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾

''ہم نے انسان کے اندر خیر کا مادہ بھی رکھ دیا اور شر کا مادہ بھی رکھ دیا۔''

شیطان شر کی طرف بلا رہا ہے اور رحمان خیر کی طرف بلا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس راستے پر چلتا ہے۔ اگر انسان خیر کے راستے پر چلے گا تو واقعی کامیاب ہوگا اور اگر شیطان کے راستے پر چلے گا تو واقعی ناکام ہوگا۔

کلمہ گو اور غیر مسلم کا واقعہ:

بیرون ملک ایک آدمی کہنے لگا کہ اگر کوئی صرف کلمہ پڑھ لے کیا وہ جنت میں جائے گا؟ فقیر نے کہا کہ ہاں! انشاء اللہ جنت میں جائے گا۔ گناہ گار ہوگا تو اس کو سزا ملے گی، لیکن بالآخر جنت میں جائے گا۔ اس نے کہا: ایک آدمی اگر کلمہ نہ پڑھے؟ فقیر نے کہا: وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ کہنے لگا: اگر کلمہ نہ پڑھے اور بڑا نیک ہو، مثلاً: اس نے روشنی ایجاد کی، بلب کا موجد بنا، مہمان خانے بنوائے، اچھے کام کیے، پھر بھی وہ انسان جنت میں نہیں جائے گا؟ فقیر نے کہا: پھر بھی نہیں جائے گا۔ اس نے کہا: دیکھیں! یہ کتنی ناانصافی ہے، کیا اسلام میں عدل نہیں ہے؟ فقیر نے کہا: کیوں؟ کہنے لگا: ایک آدمی گناہ گار ہے کلمہ پڑھ لیتا ہے اس کو جنت میں بھیج رہے ہیں، لیکن ایک آدمی سارے اچھے کام کرتا ہے صرف کلمہ نہیں پڑھتا تو اسے جہنم میں بھیج رہے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ ہاں بھئی! اصول تو یہی ہے۔ کہنے لگا کہ یہ اصول فطرت کے خلاف ہے۔ فقیر نے کہا: دیکھو بھئی! ہم آجکل جو ریاضی پڑھتے ہیں، جس پر ہماری سائنس کی بنیاد ہے، جس پر ہم کہتے ہیں کہ فطرت کے قوانین لاگو ہیں، اسی کی مثال دی جاتی ہے۔ فرض کریں! کوئی آدمی اگر ایک کا عدد لکھ دیتا ہے اور پھر اس کے دائیں طرف زیرو، زیرو، زیرو، لکھتا چلا جاتا ہے تو ہر زیرو جو لگتا چلا جائے گا تو وہ اس کی

Value کو بڑھاتا چلا جائے گا، جتنے زیرو لگاتا جائے گا Value بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر یہ آدمی ایک لگانا تو بھول گیا، یا نہیں لگاتا اور صرف زیرو، زیرو، لگاتا چلا جاتا ہے اور وہ کہتا ہے: دیکھو جی! میں نے تو دس ارب زیرو لکھ دیے، اس کی Value تو زیرو ہی ہے۔ کہا جائے گا کہ ان تمام زیروز کی Value تو اس ایک کی وجہ سے ہونی تھی جب آپ نے ایک ہی نہ لکھا تو اب چاہے جتنے مرضی زیرو لکھتے رہو اس کی کوئی Value نہیں۔

اسی طرح جو ایک اللہ کو نہیں مانتا تو پھر اس کے کاموں کی Value بھی زیرو ہوتی ہے، جب تک کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کو نہ مانے۔ وہ کہنے لگا کہ بات تو آپ نے ٹھیک کی۔ مجھے بات سمجھ آ گئی۔

فقیر نے کہا کہ اچھا اب ایک دوسری مثال سمجھیں کہ جو انسان کلمہ پڑھ لیتا ہے تو وہ گویا اللہ رب العزت کے خالق کائنات، مالک کائنات اور وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ کسی ملک کے اندر رہے اور بادشاہ کی بادشاہت کو تسلیم کر لے، مگر گناہ گار ہو تو بادشاہ تھوڑی بہت تو سزائیں دیتا رہتا ہے یا اس کو تنبیہ کرتا رہتا ہے، مگر اسے اپنا شہری بننے کا موقع دیتا ہے۔ ایک آدمی بادشاہ کا غدار ہو اور کہے کہ میں بادشاہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ وہ تو اسے پھر کبھی بھی اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہیں دے گا، کہے گا کہ اس آدمی کا تو فوراً سر قلم کر دینا چاہیے۔ بات ایسی ہی ہے کہ اللہ رب العزت نے ہم لوگوں کو کلمہ کی نعمت عطا کی ہے اللہ تعالیٰ کا تصور بڑی نعمت ہے۔

یورپی لوگوں کے پاگل ہونے کی وجہ:

یورپ میں اگر کسی کا کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے تو کئی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ چبا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ٹھیک فیصلے نہیں کیے۔ میں نے یہ نہیں کیا وہ نہیں

کیا۔ بس اس طرح سارے کے سارے نقصان کو اپنے سر لے لیتے ہیں۔ جب وہ بوجھ اپنے سر پر لیتے ہیں تو دماغ تو خراب ہونا ہی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ نیو یارک کے ایک شہر میں سو سے زیادہ پاگل خانوں کی شاخیں ہیں اور ہمارے پورے ملک میں کتنے پاگل خانے ہیں؟ ہمیں پتہ ہی نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہاں لوگوں کے پاگل ہونے کی شرح بہت کم ہے۔

پاگل ہونے کی بنیادی وجہ:

پاگل ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زندگی میں جو پریشانی آتی ہے اسے اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔ مثلاً: بیوی طلاق لے کر چلی گئی، بیوی بے وفائی کر گئی، وہ خود پاگل ہو گئے۔ کاروبار ٹھپ ہوا تو ایسا غم سر پہ سوار ہوا کہ پاگل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے فوائد:

ایک بندہ اللہ پر یقین رکھتا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ اب اس پر کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ آجائے وہ یہی کہے گا: جو اللہ کو منظور۔ جب اس نے کہا: جو اللہ کو منظور، تو سارا ذہنی بوجھ ختم ہو گیا۔ مثلاً: ایک آدمی کے گھر کو آگ لگ جائے، ایک آدمی کے بیوی بچے جل کر مر جائیں یا ایک آدمی کا ایکسیڈنٹ میں سب کچھ تباہ ہو جائے اور اس کے پاس دوسرے لوگ جا کر افسوس کریں تو وہ کہے گا: جو اللہ کو منظور۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے کہ جو اللہ کو منظور تو سارے کا سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، لہٰذا پاگل ہونے سے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تصور اور یقین کا فائدہ یہ ہے کہ انسان ایک متوازن زندگی گزارتا ہے۔ نفس اور شیطان سے بچنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

اچھا سوال:

ایک آدمی نے سوال کیا اور اس نے بڑا Critical سوال کیا۔ وہ کیمونسٹ تھا، کہنے لگا کہ آپ شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟

اچھا جواب:

اگر ہم سوچیں تو بظاہر اس کا جواب ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟ کیا ضرورت ہے شیطان کو ماننے کی؟ وہ کہتا تھا کہ اچھائی برائی ہم خود کرتے ہیں نام شیطان کا لگا دیتے ہیں۔ شیطان کو کیوں مانتے ہیں؟ فقیر نے اسے ایک بات سمجھائی کہ دیکھیں بھئی! بالفرض میں چاند پر جاؤں اور چاند پر جا کر مجھے کہیں گلقند پڑی ہوئی نظر آجائے۔ تو گلقند دیکھ کر میں ایک نتیجہ نکالوں گا کہ یہاں چاند کے اوپر کہیں نہ کہیں گل بھی ہے اور کہیں نہ کہیں قند بھی ہے اور وہ دونوں آپس میں ملے تو گلقند بن گئی۔ گلقند کا وجود گل کے وجود اور قند کے وجود کے اوپر ایک دلیل ہے۔ جہاں بھی مرکب موجود ہوتا ہے وہ عناصر کے موجود ہونے کی دلیل ہوتا ہے، عناصر ملے تو مرکب بنا۔ اسی طرح اگر پانی موجود ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں ہائیڈروجن اور آکسیجن موجود ہے۔ پانی کا موجود ہونا ہائیڈروجن اور آکسیجن کے وجود پر دلیل ہے۔ اسی طرح گلقند کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی چیز ہے جو سراسر گل ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی چیز ہے جو سراسر قند ہے اور جب یہ دونوں چیزیں آپس میں ملیں تو گلقند بن گئی۔ کہنے لگا: ہاں! بات تو یہ صحیح ہے۔ فقیر نے کہا کہ اگر غور کریں تو انسان خیر اور شر کا مجموعہ ہے۔ انسان میں خیر کا مادہ بھی ہے اور شر کا مادہ بھی ہے، یہ

خیر وشر کا مجموعہ ہے۔ اب یہ مجموعہ اس بات کی دلیل ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو سراسر خیر ہو اور کہیں نہ کہیں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو سراسر شر ہو۔ جو سراسر خیر ہے اس کو ہم فرشتے کہتے ہیں، جو سراسر شر ہے اسے ہم شیطان کہتے ہیں اور جو دونوں کا مجموعہ ہے اسے انسان کہتے ہیں۔

اپنی مرضی کی زندگی:

انسان زندگی میں دیکھتا ہے کہ پیسے سے کام بن رہے ہیں تو جائز و ناجائز طریقے سے پیسے سمیٹنے شروع کر دیتا ہے۔ یہ مال کی محبت بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کلوروفارم سونگھا دیا جائے۔ کلوروفارم سونگھا دینے سے جیسے کوئی آدمی مدہوش ہو جاتا ہے یہ مال کی محبت انسان کو مدہوش کر دیتی ہے پھر اسے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ مالدار آدمی کی آواز کے اندر مال پیسے کی جھنکار شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ دیکھتا ہے کہ جائز و ناجائز کام پیسے کی وجہ سے ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ مال حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اسے اپنی انا کی تسکین کے لیے اپنی شہرت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ عہدے کے پیچھے پڑ جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس ایسی کوٹھی ہو کہ اس جیسی کوٹھی کسی کے پاس نہ ہو، بیوی ایسی اچھی ملے، Dress میرا ایسا ہونا چاہیے، گاڑی میری ایسی ہونی چاہیے، انسان کے اندر اس قسم کی خواہشات جنم لیتی ہیں۔

خواہشات والی زندگی:

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا انسان ان خواہشات کی تکمیل اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق کرتا ہے یا پھر اللہ کے حکموں کو ایک طرف رکھ کر اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ

جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ یہ خواہشات انسان کو بالکل اندھا کر دیتی ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہیں اور انسان علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ﴾

''کیا دیکھا آپ نے اس کو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا؟''

﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ﴾

''اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا۔''

علم کے باوجود گمراہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ دیکھیں! ایک آدمی سگریٹ پیتا ہے، مگر سگریٹ کے نقصانات سے واقف ہوتا ہے۔ وہی بچوں کے درمیان بیٹھا نصیحت بھی کر رہا ہوتا ہے کہ بھئی! ہم تو اس کام میں پڑ گئے ہیں مجبور ہیں تم نہ پینا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کے نقصانات سے بھی واقف ہے، اوروں کو بھی اس سے منع کر رہا ہے۔ بعض سگریٹ بنانے والی کمپنیاں اوپر لکھ بھی دیتی ہیں کہ سگریٹ نوشی مضر صحت ہے۔ پینے والا بھی جانتا ہے کہ وہ مضر صحت ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے اندر ایک ایسی طلب پیدا ہوتی ہے کہ وہ پھر مجبور ہو کر سگریٹ پینا شروع کر دیتا ہے۔ اسے کہتے ہیں: علم کے باوجود گمراہ ہو جانا۔ انسان بعض اوقات خواہشات کے ہاتھوں ایسا مجبور ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ برا کام ہے، لیکن پھر بھی کر گزرتا ہے اور یہی ایک اچھے اور برے انسان کے درمیان فرق ہوتا ہے۔

ڈسپلن والی زندگی:

اچھا انسان جب دیکھتا ہے کہ یہ برا کام ہے تو وہ ایسا قدم نہیں اٹھاتا۔ گو اسے برائی

کی دعوت مل رہی ہو اور اگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ قدم اٹھانا میرے لیے اچھا ہے، گو اس کے اندر سستی ہو، لیکن پھر بھی اچھا قدم اٹھاتا ہے۔ اس لیے ایک دیدہ و دانش رکھنے والا انسان اپنے اندر صبر و ضبط پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی انسان ڈسپلن پیدا کرنا چاہے تو سب سے پہلے یہ کام اس کی ذات سے شروع ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر ڈسپلن پیدا کرے۔ ڈسپلن ایک ایسی چیز ہے کہ مغرب کی دنیا اس کے پیچھے پڑ رہی ہے کہ اس سے زندگی اچھی گزرتی ہے۔

امریکی غیر مسلم کا واقعہ:

مجھے ایک صاحب ملے، کہنے لگے: میں روزے رکھتا ہوں۔ وہ امریکن تھے۔ میں نے کہا: وہ کیوں تم تو غیر مسلم ہو تم کیسے روزے رکھتے ہو؟ کہنے لگا کہ سال میں کچھ وقت انسان پر ایسا گزرنا چاہیے کہ وہ ڈائٹنگ کرے۔ جب ہم کچھ عرصہ کے لیے Digestive System کو فارغ رکھتے ہیں تو جسم کے اندر کچھ رطوبتیں ایسی ہوتی ہیں جو کہ ختم ہو جاتی ہیں۔ بہت سی پیچیدہ قسم کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ بھوکا رہنے سے Digestive System پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور بہتر طریقے سے کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ میں نے اور میری بیوی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم سال میں ایک مہینہ اسی طرح روزہ رکھ کر ڈائٹنگ کیا کریں گے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ سنت ہے کہ ہر مہینے ایام بیض کے تین روزے رکھیں، بالخصوص وہ لوگ جو غیر شادی شدہ ہوں وہ زیادہ روزے رکھیں۔ یہ بھوکا رہنا انسان کے اندر ایک ڈسپلن اور صبر وضبط پیدا کرتا ہے۔ غیر شادی شدہ کو اس کی زیادہ تلقین کی گئی ہے، تاکہ اس کی شہوانی قوت مناسب رہ سکے۔ آج کے غیر مسلم اس کے اندر مادی فائدہ دیکھ کر اس کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فقیر نے سنت نبوی میں سو سے زیادہ ایسی مثالیں دیکھی ہیں کہ

جن کو ہو بہو سائنس کی دنیا تسلیم کرتی ہے۔

سنت اور سائنس کے اختلاف کی بنیادی وجہ:

سنت کو جہاں سائنس نہیں مان رہی وہاں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ریسرچ ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ جب بھی سائنس منزل پہ پہنچ گئی تو اس نے تسلیم کر لینا ہے کہ سنت ہی میں فائدہ ہے۔

سنت نبوی کا چیلنج:

ہم اللہ تعالیٰ کے انتہائی شکرگزار ہیں کہ اس نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک ایسا طریقہ سمجھا دیا ہے جو دنیا میں زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ ہے، اس سے بہترین طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ فقیر کا یہ دعویٰ ہے کہ جس طریقہ سے نبی ﷺ نے کھانا کھایا اس سے بہتر کھانا کھانے کا دنیا میں اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ جس طریقے سے انہوں نے پانی پیا اس سے بہتر طریقہ پانی پینے کا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ جس طرح نبی ﷺ سوئے اس سے بہتر سونے کا طریقہ دنیا میں کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ علی ہذا القیاس۔

یہ ایک دعویٰ ہے، فقیر نے اس دعویٰ کو Western Countries کے بڑے پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ میرے سردار ﷺ کی کوئی ایک سنت بتا دو جس میں حکمت نہ ہو۔

کھانے کی سنتیں اور جدید سائنس:

کھانا کھانے میں رسول اللہ ﷺ کی سنتیں کتنی پیاری اور اچھی ہیں۔ پہلی بات کہ آپ ﷺ جب بھی کھانا کھاتے تھے تو اپنے پیٹ کا کچھ حصہ خالی رکھتے تھے۔ مطلب

یہ کہ ایک تو کھانا اتنا کم کھایا کہ ڈکار نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ تھوڑی سی بھوک ابھی باقی ہے کھانا چھوڑ دے۔ آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ ایک کھجور انسان کے جسم میں جا کر اتنی کلوریز کر دیتی ہے کہ وہ آدمی بھوک کی وجہ سے تین دن تک نہیں مر سکتا۔ سوچیے! ہم جو اتنی اتنی غذا کھاتے ہیں کہ اس کا 10٪ ہمارے جسم کا حصہ بنتا ہے اور 90٪ ایسا ہوتا ہے جو ہم Crush کر کے خارج کر دیتے ہیں۔ یعنی ہم عادت کے لحاظ سے پیٹ تو بھر رہے ہوتے ہیں، مگر جسم اس کو Crush کر کے خارج کر دیتا ہے۔ پوری غذا کا دسواں حصہ ہمارے جسم کا حصہ بنتا ہے۔ تو ہم نے اپنے معدے کو خوب بھر لیا، جس کی وجہ سے بعض دفعہ فلاں بیماری، فلاں بیماری، گیس کی تکلیف، پیٹ کا بڑھنا یہ ساری بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ نبی ﷺ جب کھاتے تھے تو پہلا اصول کہ جتنی بھوک ہوتی تھی اس سے ذرا کم کھاتے تھے۔ دوسری بات: ایک وقت میں ایک کھانا کھاتے تھے۔ دو کھانوں کو ملا کر نہیں کھاتے تھے۔ ہم تو ایک ایک دستر خوان پر چار چار پانچ پانچ کھانوں کو ملا کر کھاتے ہیں۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جتنی مرغن غذائیں ہم نے تیار کی ہوئی ہوتی ہیں آپ ان میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر ایک برتن میں ڈال دیں تو دیکھیں کیا بنتا ہے، اس کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہے گا۔

پینے کی سنتیں اور جدید سائنس:

نبی ﷺ کی پینے کی سنت کیا ہے؟ آپ مستقل کھانا کھاتے تھے اور مستقل پانی پیتے تھے۔ مثلاً: فرض کریں! آپ ﷺ نے کھانا کھایا ہے تو مستقل علیحدہ پانی پیتے تھے۔ آج کی سائنس کہتی ہے کہ مستقل پانی پیے تو اثرات جسم پر مختلف پڑتے ہیں اور اگر کھانے کے ساتھ ملا کر پانی پیے تو اس کے اثرات جسم پر مختلف پڑتے ہیں۔ دیکھیے!

صرف کھانے پینے کے اندر حضور ﷺ کی سنتیں کتنی اچھی ہیں۔

سرکہ اور جدید سائنس:

نبی اکرم ﷺ کھانے میں سرکہ استعمال فرماتے تھے۔آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ سرکے کے استعمال سے انسان کا ہاضمہ بہتر ہو جاتا ہے۔حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایک سنت کے کس قدر فائدے ہیں!

لقمہ زیادہ چبانا اور جدید سائنس:

نبی اکرم ﷺ جب کھانا کھاتے تھے تو اچھی طرح چبا چبا کر کھاتے تھے۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہم جس لقمے کو کھاتے ہیں تو چار پانچ دفعہ چبا کر نگل لیتے ہیں۔ اگر لقمے کو اس سے بھی زیادہ چبالیا جائے تو معدے کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔یہ کتنی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک آدمی لقمے کو منہ میں ہی اچھی طرح چبالے گا تو معدے کو کم کام کرنا پڑے گا۔

کم چبانا اور ڈاکٹروں کی تحقیق:

کم چبانے والے لوگوں کے دانت عام طور پر زیادہ خراب ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دانتوں کی Exercise ضروری ہے۔چنانچہ اگر کوئی ایک طرف سے کھانے کا عادی ہو تو اس کے دوسری طرف کے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔اس لیے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ کبھی ایک طرف سے چبا کر کھاؤ کبھی دوسری طرف کے دانتوں سے چبا کر کھاؤ، تاکہ تمہارے باقی سب دانتوں کی مشق ہوتی رہے۔اب بتایئے! ایک سنت پر عمل کرنے کے کتنے فائدے آج سمجھ آرہے ہیں۔

سونے کی سنتیں اور جدید سائنس:

نبی اکرم ﷺ دائیں طرف سویا کرتے تھے، آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ بائیں کروٹ سونے سے بہت گہری نیند اور ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ جبکہ دائیں کروٹ سونے والے کو گہری نیند تو آتی ہے، مگر نیند جلد پوری ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ جلدی اٹھ بھی جاتا ہے اور طبیعت تر و تازہ ہو جاتی ہے۔

ڈراؤنے خواب کیوں آتے ہیں؟

ایک نئی تحقیق کے متعلق میں پڑھ رہا تھا کہ بائیں طرف سونے والوں کو ڈراؤنے خواب زیادہ آتے ہیں اور اس کی دلیل یہ دی ہوئی تھی کہ دل بائیں طرف ہے انسان کی بعض آنتیں دل کے اوپر پڑتی ہیں اور دل پر فزیکل پریشر پڑتا ہے۔ اور جب دل کے اوپر پریشر ہوتا ہے تو پھر انسان کو ڈراؤنے خواب نظر آتے ہیں جیسے کسی نے دل کو پکڑا ہوا ہوتا ہے اور جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ دیکھیے! یہ دائیں طرف سونے کی حکمتیں تھیں۔ اس لیے نبی ﷺ دائیں طرف سویا کرتے تھے۔

وضو کی حکمتیں اور موتیا بند کا علاج:

نبی اکرم ﷺ جب صبح اٹھتے تو وضو کیا کرتے تھے۔ آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ آنکھوں کے موتیا بند کا بنیادی علاج یہ ہے کہ انسان صبح صبح آنکھوں کے اندر پانی کے چھینٹے مارے۔ جو آدمی تہجد کے لیے اٹھے اور وضو کرے تو آنکھ پر بھی اچھی طرح چھینٹے لگا لے۔ موتیا بند کا علاج ہو گیا۔ سبحان اللہ!

کان اور ڈش انٹینا:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کا ڈیزائن ایسے بنایا جیسے کہ ڈش انٹینا ہو۔ چنانچہ کان کی تحقیق پر ایک مستشرق سائنس دان سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اے کان کے پیدا کرنے والے! تو خود کیسے بہرہ ہوسکتا ہے؟ یعنی جس نے کان کو پیدا کر دیا، جو سننے کے لیے اتنا بہترین آلہ ہے وہ خود کیسے بہرہ ہوسکتا ہے؟ وہ خود بھی تو سننے والا ہوگا۔

واشنگٹن کا ڈاکٹر اور نماز کا قائل:

ایک دفعہ واشنگٹن میں ایک ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی۔ وہ کہتا تھا: میرا دل کرتا ہے کہ سارے ملک میں نماز کو لاگو کر دوں۔ فقیر نے کہا: وہ کیوں؟ کہنے لگا: اس کے اندر اتنی حکمت ہے کہ کوئی حد نہیں۔ وہ جلد کا اسپیشلسٹ تھا۔ کہنے لگا: اس کی حکمت آپ تو (انجینئر ہیں) سمجھ لیں گے۔ فقیر نے کہا: اچھا جی! بتائیں۔ کہنے لگا کہ اگر انسان کے جسم کو مادی نظر سے دیکھا جائے تو انسان کا دل پمپ کے مانند ہے۔ اس کا In put بھی ہے اور Out put بھی ہے۔ سارے جسم میں تازہ خون جا رہا ہوتا ہے اور دوسرا واپس آ رہا ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ جب انسان بیٹھا ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو جسم کے جو حصے نیچے ہوتے ہیں ان میں پریشر نسبتاً زیادہ ہوتا ہے اور جو حصے اوپر ہوتے ہیں ان میں پریشر نسبتاً کم ہوتا ہے۔ مثلاً: تین منزلہ بلڈنگ ہو اور نیچے پمپ لگا ہوا ہو تو نیچے پانی زیادہ ہوگا اور دوسری منزل پر بھی کچھ پانی پہنچ جائے گا جبکہ تیسری پر بالکل نہیں پہنچے گا۔ حالانکہ وہی پمپ ہے، لیکن نیچے پورا پانی دے رہا ہے، اس سے اوپر والی منزل میں کچھ پانی

دے رہا ہے اور سب سے اوپر والی منزل میں بالکل پانی نہیں جا رہا۔

اس مثال کو اگر سامنے رکھتے ہوئے سوچیں تو انسان کا دل خون کو پمپ کر رہا ہوتا ہے اور یہ خون نیچے کے اعضاء میں تو بالکل پہنچ رہا ہوتا ہے، لیکن اوپر کے اعضاء میں اتنا نہیں پہنچ رہا ہوتا۔ جب کوئی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ انسان کا سر نیچے ہوتا ہے اور دل اوپر ہوتا ہے تو خون سر کے اندر بھی اچھی طرح ہو کر پہنچتا ہے۔ مثلاً: جب انسان نماز کے سجدے میں جاتا ہے تو محسوس ہوتا ہے جیسے پورے جسم میں گویا خون بھر گیا ہے۔ آدمی سجدہ تھوڑا سا لمبا کر لے تو محسوس ہوتا ہے کہ چہرے کی جو باریک باریک شریانیں ہیں ان میں بھی خون پہنچ گیا۔ تو وہ کہنے لگا کہ عام طور پر انسان بیٹھا ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے یا لیٹا ہوتا ہے۔ بیٹھے کھڑے لیٹے میں انسان کا دل نیچے ہی ہوتا ہے اور سر اوپر ہوتا ہے، ایک ہی ایسی صورت ہے کہ نماز میں جب انسان سجدے میں جاتا ہے تو اس کا دل اوپر ہوتا ہے اور سر نیچے ہوتا ہے۔ لہٰذا خون اچھی طرح چہرے کی جلد میں پہنچ جاتا ہے۔

دائمی خوبصورتی کا راز:

نماز پڑھنے والے آدمی کے چہرے پر تازگی رہتی ہے، کیونکہ نماز اور سجدے کی وجہ سے اس کی تمام شریانوں میں خون پہنچتا رہتا ہے۔ اور جو نماز نہیں پڑھتے ان کے چہرے پر ایک افسردگی سی چھائی ہوتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے: جو تہجد کی نماز پڑھتا ہے اس کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۳۳)

عورتوں کو نماز پڑھنے کا مشورہ:

وہ ڈاکٹر کہنے لگا کہ یقین جانیں! عورتوں کو اگر پتہ چل جائے کہ نماز میں لمبے

سجدے کی وجہ سے چہرہ کس قدر تروتازہ اور خوبصورت ہو جاتا ہے تو وہ سجدے سے سر ہی نہ اٹھائیں۔

مسواک کی سنت:

آج کی سائنسی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ انسان جو چیزیں کھاتا ہے تو منہ کے اندر پلازما پیدا ہو جاتا ہے۔ اب یہ پلازما صرف کلی کرنے سے صاف نہیں ہوتا۔ مسواک کرنا یا برش کرنا ضروری ہے۔ سونے کی حالت میں دانت زیادہ خراب ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کا منہ بالکل بند ہوتا ہے اور بند منہ کے اندر جراثیم کے لیے تباہی پھیلانا بہت آسان ہوتا ہے۔ دن کے وقت کبھی بندہ بول رہا ہے تو زبان چل رہی ہے، کبھی کھا رہا ہے، کبھی پی رہا ہے، دن کے وقت حرکت کرنے کی وجہ سے پلازمے کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور رات کے وقت جب منہ بند ہوتا ہے تو کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لیے رات کے وقت دانت زیادہ خراب ہوتے ہیں۔ صبح ٹوتھ پیسٹ کریں یا نہ کریں مرضی، لیکن رات کو سوتے ہوئے ضروری کرنی چاہیے۔

نبی ﷺ کی سنتیں اور دانت:

الحمدللہ! ہمارے نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے کہ رات کو وضو کے ساتھ سوتے تھے اور وضو بغیر مسواک کے نہیں کیا کرتے تھے۔ جب بھی انسان کھانا کھائے گا اور کھانا کھا کر وضو کرے گا، مسواک کرے گا تو نقصان سے بچے گا، بلکہ نبی اکرم ﷺ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے تھے اور کھانے کے بعد کلی کرتے تھے۔ آج لوگ کھانا کھا کر اسی طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں، حالانکہ ان کے منہ کے اندر میٹھی چیز کھانے کے اثرات

کافی دیر تک رہتے ہیں۔ اگر اسی وقت کلی کرنے کی عادت پڑ جائے تو کتنا فائدہ ہو جائے۔ اور پھر دن میں پانچ دفعہ وضو کرتا ہے تو مستقل منہ صاف رہتا ہے۔

فرانس کے سرجن کا واقعہ:

تبلیغی جماعت کے ایک دوست فرانس گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہاں میں وضو کر رہا تھا تو ایک آدمی کھڑا غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس تو کیا، لیکن میں وضو کرتا رہا۔ جب میں نے وضو مکمل کیا تو اس نے مجھے بلا کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ مسلمان ہوں۔ کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: پاکستان سے۔ کہنے لگا کہ پاکستان میں کتنے پاگل خانے ہیں؟ بڑا عجیب سا سوال تھا۔ میں نے کہا کہ دو ہیں یا چار۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں۔ وہ کہنے لگا: You do not know میں نے کہا: میں تو نہیں جانتا۔ کہنے لگا کہ یہ ابھی آپ نے کیا کیا؟ میں نے کہا: وضو کیا۔ کہنے لگا: روزانہ کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ایک دن رات میں پانچ دفعہ کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگا:

Oh i see میں نے جب اس سے پوچھا: بھئی! آپ کا کیا مطلب ہے؟ وہ کہنے لگا: میں یہاں پاگل لوگوں کے ہسپتال میں سرجن ہوں۔ میں تحقیق کرتا رہتا ہوں کہ لوگ پاگل کیوں ہوتے ہیں؟ میری تحقیق یہ ہے کہ انسان کے دماغ کے سگنل پورے جسم کے اندر جاتے ہیں تو ہمارے جسم کے اعضا کام کرتے ہیں۔ اس دماغ سے چند باریک باریک رگیں ہماری گردن کی پشت سے پورے جسم کو جا رہی ہیں۔ میں نے ریسرچ کی ہے کہ اگر بال بہت بڑھا دیے جائیں اور اس گردن کے پچھلے حصے کو بہت خشک رکھا جائے تو رگوں کے اندر کئی دفعہ خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ رگیں کھچتی ہیں تو کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹرز نے

سوچا کہ اس جگہ کو دن میں چار دفعہ تر رکھنا چاہیے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے ہاتھ منہ تو دھویا ہی ہے، لیکن یہاں گردن کی پچھلی طرف بھی آپ نے کچھ کیا۔ اس لیے آپ لوگ کیسے پاگل ہو سکتے ہیں؟

سوچنے کی باتیں:

اب سوچیے کہ ایک ڈاکٹر کی ساری عمر کی ریسرچ ایک مستحب پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مستحب کی حکمتیں اتنی ہیں تو پھر فرائض وواجبات اور سنتوں میں کیا کیا حکمتیں ہوں گی!؟

ذاتی واقعہ اور سنت کے فوائد:

میری ایک دفعہ میٹنگ تھی۔ جس میں امریکن کمپنی کے تین ڈائریکٹرز اور جنرل مینجر وغیرہ تھے۔ ہم ایک Table پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ فقیر نے دیکھا کہ وہ امریکن حضرات بھی ہاتھ سے کھانا کھا رہے ہیں۔ حالانکہ چھری کانٹے ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ فقیر بہت حیران ہوا اور پوچھا کہ آپ نے یہ چھری کانٹے استعمال نہیں کیے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمیں ہاتھوں سے کھانا کھانا پسند ہے۔ آج پہلی دفعہ چٹی چمڑی والوں کو دیکھا کہ یہ چھری کانٹے کو چھوڑ کر اس طرح انگلیوں سے کھا رہے ہیں۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو انہوں نے باقاعدہ ساری انگلیوں کو باری باری منہ میں لے کر صاف کیا۔ فقیر نے ان سے سوال کیا: Why you did this تو وہ کہنے لگے کہ یہ نئی تحقیق ہے کہ جب انسان انگلیوں سے کھانا کھاتا ہے تو ان کے مسام سے پلازما خارج ہوتا ہے، جس کو مائیکروسکوپ کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ پلازما کھانے کے ساتھ انسان کے منہ میں جاتا ہے اور ہاضمہ میں کام آتا ہے۔ کہنے لگے کہ اب ہم چھری

کانٹوں کے بجائے انگلیوں سے کھانا پسند کرتے ہیں۔

کامیاب زندگی:

دنیا جہاں بھی جائے گی انہیں ایک نہ ایک دن میرے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پر آنا ہوگا۔ اس دنیا کو ایک نہ ایک دن پریشان ہو کر در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنا پڑے گا۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان ہونے کی اور سنت پر عمل کرنے کی نعمت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آگے بڑھنے اور پوری زندگی سنت کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین!

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشہ دامان اوست

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجموعہ رسائل

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی سند میں ایک عظیم شخصیت قدوۃ السالکین حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو اخلاص وللّٰہیت، عبادت وریاضت، تقویٰ و پرہیزگاری کے مجسمہ تھے۔ اس کتاب میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وتعلیمات سے متعلق ایسے نایاب مخطوطات جن کو مغربی ممالک کی لائبریریوں سے بڑی تگ ودو کے بعد حاصل کیا گیا ہے، کا پہلی بار اردو زبان میں ترجمہ لایا گیا ہے۔

(۱) رسالہ صاحبیہ (حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق،عبادات،طور طریقے اور اقوال پر مشتمل مشہور رسالہ ہے، جو کہ حضرت ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے)

(۲) رسالہ رتبۃ الحیات (انسانی زندگی اور اس کے مختلف درجات پر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع تحریر)

(۳) رسالہ آدابِ طریقت (رسالے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے آدابِ طریقت کو چار بنیادی ارکان پر قائم کر کے ایک منفرد بیان فرمایا ہے)

(۴) رسالہ انسان وکائنات (حقیقتِ انسان وکائنات کے بارے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر وجامع تحریر)

(۵) رسالہ در بیان توحید (حقیقتِ توحید کے بارے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت عارفانہ کلام)

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
☎ +92-041-2618003
alfaqeerfsd@yahoo.com